www.urducouncil.nic.in

نومبر 2024 ، قیمت :- ₹ 15

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہنامہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

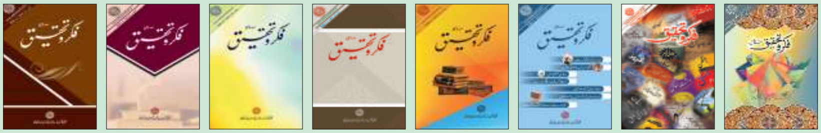

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 12 شمارہ: 11 نومبر 2024

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /15 روپے، سالانہ /145 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد -500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ — مدیر — 04
ڈاک خانہ — قارئین — 05

مضامین

برف کا آدمی : بیتی — بانو سرتاج — 07
ایک عظیم اسکالر : مولانا ابوالکلام آزاد — سیدہ نوشاد بیگم — 09
بیگم حضرت محل — رئیس صدیقی — 11
ڈرومت — عظیم اقبال — 14
کچھ وقت کے بارے میں — شمیم احمد مدنی — 16
مایوس آنکھوں میں امید کا دیا — گلشن مسرت — 19

نظمیں

مربّے کا ڈبہ — شاہد جمیل — 23
ایگری کلچر — بسم اللہ عدیم برہانپوری — 24
تاج محل — وزیر عالم — 25
ماں — شیدا بگھونوی — 26
چراغ — عبدالمنان صمدی — 27
چڑیا رانی — درخشاں انجم — 28
بہنیں — پروین بیگم — 29

کہانیاں

پوسی ماں — شیریں نیازی — 30
منا ہیلی کا پٹر — ضیاء الحسن — 33
قدرت کا قہر — محمد امان اے — 37
نئی کلاس نیا ہنر — اسمٰعیل سلیمان — 39
مونو — محمد نصیر رمضان — 42

قسط وار ناول

جنگل کی کہانی رمیش نارائن تیواری مترجمہ : زینت شہریار — 44

ٹیکنالوجی

ایموجی: دنیا کی پہلی عام ڈیجیٹل زبان — وسیم سعید — 52

سائنس

پانی — قدرت کا انمول عطیہ — محمد اشرف عظیم آبادی — 55

زبان شناسی

کب (ی) کی آواز نہیں نکلتی — بدر الحسن — 58

واقفیت عامہ

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات — ادارہ — 60

ننھے فنکار

پینٹنگ — 61

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیاوقت پھر ہاتھ آتا نہیں
—میرحسن

پیارے بچو! ہماری زندگی میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لیے بے حد قیمتی ہوتی ہیں لیکن وقت رہتے اس کا احساس نہیں ہوتا، جیسے وقت، صحت اور فرصت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ہم نے اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کا صحیح اور مثبت استعمال نہیں کیا تو اس کا ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے، ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اگر ہم نے وقت پر اس کام کو نہیں کیا تو پھر ہاتھ ملنے کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں رہتا، دنیا کی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ واپس حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن وقت اگر ایک بار چلا گیا تو پھر اسے دوبارہ حاصل نہیں کیا جاسکتا، وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا وہ تو گذرتا رہتا ہے، اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم وقت کا کس طرح اور کیسے استعمال کرتے ہیں، وقت کا صحیح استعمال انسان کو بلندی تک پہنچاتا ہے اور اگر وقت کو کام میں نہیں لایا گیا اور اسے کھیل، کود اور فضول کی چیزوں میں برباد کیا گیا تو یاد رکھیں پھر ندامت اور پچھتاوا ہی ہمارے حصے میں آئے گا، اس لیے وقت کو بالکل بھی برباد نہ کریں اور ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھ کر اس کا صحیح استعمال کریں۔

بچو! یہ ٹیکنالوجی کا دور ہے اور آج کل بڑے اور بچے گیم، ویڈیوز اور مختلف طرح کے پروگراموں کو دیکھنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، اپنے وقت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور موبائل ودیگر الیکٹرانک آلات میں اپنا وقت برباد کرتے رہے ہیں، جس سے وقت تو خراب ہوتا ہی ہے ساتھ ہی صحت بھی متاثر ہوتی ہے، اس لیے وقت کی قدر و قیمت کو سمجھیں، کتابوں سے دوستی کریں، پڑھائی لکھائی پر پوری توجہ دیں، ضرورت کے وقت ہی الیکٹرانک آلات کا استعمال کریں، آج کی لگن، محنت اور وقت کی قدر و قیمت آپ کو مستقبل میں سرخرو کرے گی اور آپ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے، جو وقت کی قدر نہیں کرتا اور اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتا وقت بھی اس کی قدر نہیں کرتا، وقت اپنی رفتار سے چلتا رہتا ہے وہ کسی کے لیے نہیں رکتا، جس نے وقت کی قیمت کو سمجھا اور اس کی اہمیت کو جانا تو وقت اسے ضرور نوازتا ہے۔

بچو! وقت قدرت کا سب سے انمول تحفہ ہے، وقت ترقی کی سیڑھی ہے، اس لیے وقت کے صحیح استعمال کی ہر ممکن کوشش کریں، آپ کا مستقبل ملک کا مستقبل ہے، نومبر 2024 کے شمارے میں 'کچھ وقت کے بارے میں' کے عنوان سے وقت کے متعلق معلوماتی مضمون ہے آپ اسے پڑھیں گے تو آپ پر وقت کی حقیقت اور کیسے وقت کو انسان نے پہچانا اس کے بارے میں آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا، اس کے علاوہ دیگر تخلیقات بھی آپ کو پسند آئیں گی، آپ اسے پڑھیں اور اپنی رائے ہمیں بذریعہ خط یا ای میل ضرور ارسال کریں۔

آپ کا
شمس اقبال

ڈاک خانہ

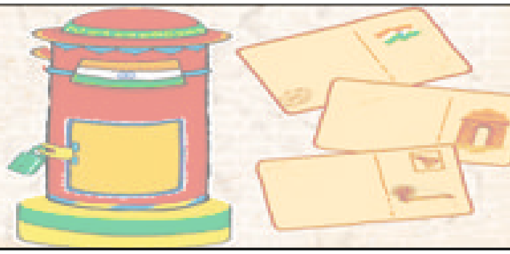

چٹھیاں

’بچوں کی دنیا‘ اکتوبر 2024 کا دیدہ زیب شمارہ موصول ہوا۔ مشمولات خوب سے خوب تر ہیں بالخصوص کہانیوں میں میلہ اور تدبیریں بچوں کی نفسیات، ان کی ضد، بڑوں کے سمجھانے پر ان کا مچلنا، ناراض ہونا ان معصوم بچوں کو منانے اور راضی اور خوش رکھنے کے لیے بڑوں کی مجبوریاں، معاشی حالات سے لڑتے ہوئے تدابیر وغیرہ کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا۔ کہانی بچوں کی دنیا کو اسم با مسمیٰ کہا جاسکتا ہے جو ادب اطفال کا اتنا خوبصورت رسالہ انتہائی کم قیمت پر ہر ماہ پابندی سے دستیاب ہوجاتا ہے نہایت پر لطف انداز میں ایک غریب مزدور کے دل میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور ذہنی آبیاری میں علم اور مطالعے کا کتنا اہم رول ہے اسے سمجھایا گیا ہے۔ روسی کہانی کا ماشا کا بستر بھی خوب ہے اور بچوں کے ننھے ذہنوں پر یہ ثبت کرنے والی ہے کہ اپنا گھر اور اپنا بستر جو ہمیں میسر ہے وہی سب سے بہتر ہے ہر حال میں صبر وشکر اور قناعت کا درس دیا گیا ہے۔ نظموں میں میٹھی زبان اردو، پنکھا، ترانہ سائنس پسند آئیں۔ سبھی قلمکار لائق مبارکباد ہیں۔ منکی پاکس، جنرل نالج پر مبنی معلومات سب لائق ستائش ہیں۔

رحیم رضا، سہ ماہی ترجمان اطفال، یاول مہاراشٹر

اکتوبر 2024 کا شمارہ موصول ہوا۔ سب سے پہلے تو میں اپنی نظم بعنوان ’میٹھی زبان اردو‘ کو شائع کرنے کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ برہان پور میں ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے جس کے لیے ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے کہ آپ سبھی اس پرچے کو بہتر سے بہتر بنانے میں مصروف ہیں۔

رسالہ بابائے قوم مہاتما گاندھی سے منسوب ہے۔ سرورق پر گاندھی جی اور ان کے چرخے کا اسکیچ دیدہ زیب ہے ان پر لکھے گئے سبھی مضامین معلوماتی اور دلچسپ ہیں جن میں محمد قمر کا نئی تعلیم، حافظ کرناٹکی صاحب کا ’پروانہ اک پتنگ جگنو بھی اک پتنگا‘ بہت خوب ہیں نظموں میں ’باپو جینتی آؤ منائیں‘، پنکھا، ترانہ سائنس اور ہم بچے وغیرہ نظمیں عمدہ شائع ہوئی ہیں تخلیقات کے عنوان پر جو تصاویر لگائی جاتی ہیں وہ بڑی معنی خیز ہوتی ہیں۔ ان کے سجانے اور سنوارنے والوں کو مبارکباد۔ صحت اطفال کے کالم میں ’منکی پاکس‘ نسیم سعید صاحب کا مضمون بھی بچوں کی معلومات میں اضافہ ہے۔ قسط وار ناول میں زینت شہریار کی محنت کو سلام کہ آپ نے جنگل کی کہانی ناول کو بڑی دلجوئی اور بچوں کی دلچسپی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پرکشش انداز میں ترجمہ کیا ہے روسی کہانی کے مترجم محمد اسد اللہ صاحب قابل ستائش کام انجام دے رہے ہیں، ایسے ہی ادیبوں کی وجہ

گورنمنٹ مڈل اسکول، تکیہ باتاپورا کے بچے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کے ساتھ

سے ہماری اردو زبان دیگر زبانوں کے ادب کے خیالات سے مالا مال ہوتی ہیں۔ سبھی کہانیاں جن میں تدبیر، بچوں کی دنیا، وغیرہ عمدہ ہیں۔ تمام قلم کاروں کو اللہ زور بیان، زور قلم عطا فرمائے۔

جاوید رانا، نزد چار مزار ڈاکٹر ذاکر حسین وارڈ مومن پورہ، برہانپور، ایم پی

'بچوں کی دنیا' ستمبر 2024 ہمدست ہوا۔ اس میں کوئی درجن بھر شہ سرخیاں قائم ہیں اور دو درجن سے زائد ذیلی سرخیاں دی گئی ہیں، جب کہ دو درجن سے زائد ادیبوں نے اسے سنوارا اور سجایا ہے۔ اس میں کیا ہی اچھی اچھی باتیں بتلائی گئی ہیں جیسے روز اسکول جانا، تعلیم کے رنگ، برسات، کانگڑی کا راز، چھیڑ خاں کی چھیڑ خانیاں، جنگل کی کہانی، پاکیزہ روشنی، دوستوں کی کہانی وغیرہ ان میں کہانیوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی تو ہیں جیسے تتلیاں، ریل گاڑی وغیرہ پھر اس میں اچھی اچھی باتیں بھی بتائی گئی ہیں جیسے علم سے بڑھ کر دنیا میں اور کچھ بھی نہیں۔ جس کے پاس علم نہیں اس کے پاس کچھ بھی تو نہیں۔ ارے ہاں یہ بھی تو بتایا گیا ہے کہ 5 ستمبر کو یوم اساتذہ منایا جاتا ہے کیونکہ 5 ستمبر 1888 کو ہمارے ملک کے سابق صدر جمہوریہ سروپلی رادھا کرشنن پیدا ہوئے تھے۔ وہ ماہر تعلیم اور بڑے فلاسفر تھے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے استادوں کا احترام کریں اور ان کی بات مانیں اور ان سے علم سیکھیں تو ہمارا بھی بھلا ہوگا۔

مصطفیٰ ندیم خان غوری، زرّیں والا، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' ستمبر 2024 کا شمارہ موصول ہوا۔ اس شمارے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں خواجہ عبدالمنتقم کا مضمون 'بچوں کو آئین کی اہم باتوں کی جانکاری ضروری' بے حد معلوماتی ہے۔ آئین کے تعلق سے عموماً لوگ کم ہی واقف ہوتے ہیں، اس لیے یہ مضمون بچوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی مفید ہے۔ 'تعلیم اور اساتذہ' کے تحت اساتذہ کی اہمیت اور تخلیقات بہت اہم ہیں۔ اساتذہ کی اہمیت، افادیت اور ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ ضرورت ہے کسی خاص دن کے بجائے سال کے بارہ مہینے اور 365 دن اساتذہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔ شمارے میں تین کہانیاں شامل ہے۔ عفت احسان کی کہانی 'سایہ' نصیحت آموز کہانی ہے، اس طرح کی سبق آموز کہانیاں وقت کی ضرورت ہیں، ایسی کہانیوں کو ترجیحی طور پر شائع کرنا چاہیے۔ بقیہ مشمولات بھی لائق مطالعہ ہیں۔

حذیفہ شمیم، وارث نگر رامپور، سمستی پور، بہار

مضمون

بانو سرتاج

برف کا آدمی: ییتی (YETI)

ییتی یا برف کے آدمی کے بارے میں سب سے پہلے 1832 میں بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں ایک کوہ پیما جی ایچ ہوزشن (G.H.Hozshan) نے دنیا کو بتایا۔ جب ہوزشن ہمالیہ میں ٹریننگ کر رہے تھے تب ان کے گائیڈ نے ایک لحیم شحیم جاندار کو دیکھا۔ وہ انسانوں کی طرح دو پیروں پر چل رہا تھا۔ اس کے جسم پر لمبے گھنے بال تھے۔ ہوزشن نے خود اس جاندار کو نہیں دیکھا مگر اس جاندار کو نام انھوں نے ہی دیا 'ییتی'۔

ییتی کو کئی ناموں سے جانا جاتا ہے:

تبّتی اسے میہ، تیہ (Meh-Teh) یعنی 'انسان بھالو' کہتے ہیں۔

دجوتیہ (Daju Teh) یعنی 'جانور بھالو' اور مگوئی یا میگی (Migoi Yamigi) یعنی 'جنگلی انسان' بھی کہتے ہیں۔

نیپال کے رہنے والے بن منچے (Ban Manche) یعنی 'بن مانس' یا جنگل کا 'آدمی' اور کانگ چن جنگا ساچیس (Kangchanjanga Sachees) کہتے ہیں جس کے معنی 'کنچن چنگا کا راکشس' ہوتے ہیں۔

ییتی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے بندر جیسا ہوتا ہے۔ بندر کی طرح دکھائی دینے کے باوجود دو پاؤں پر چلتا ہے۔ اس کے پورے جسم پر گھنے لمبے بال ہوتے ہیں۔ وہ ہمالیہ کے غاروں میں رہتا ہے۔

ییتی کے قصے 326 ق م سے ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم جب بھارت پر فتح حاصل کرنے پہنچا تو اس نے برف کے آدمی ییتی کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی جو پوری نہیں ہوئی۔

کچھ کوہ پیما ییتی کو برف کے بھالوؤں کی نسل کا جاندار مانتے ہیں۔ یہ نسل 40 ہزار پرانی مانی جاتی ہے۔ کچھ اسے عام بھالو مانتے ہیں، مگر سائنسداں ابھی تک کسی

ایک رائے پر متفق نہیں ہوئے ہیں۔

یتی کے بارے میں وقفے وقفے سے کئی قصے سامنے آتے رہے ہیں جو دراصل ہمالیائی تہذیب وتمدن کے قصے ہیں۔ اس کے وجود کو ایک فوٹوگرافر ایرک شپٹن (Srk Shipton) نے استقامت بخشی۔ وہ ماؤنٹ ایورسٹ پر جانے کے لیے مقرر راستے سے الگ کوئی دوسرا راستہ تلاش کررہے تھے۔ انھیں برف پر بہت بڑے انسانی پیروں کے نشانات نظر آئے۔ انھوں نے ان نشانات کی تصاویر کھینچ لیں۔

ایرک نے وہ تصاویر مغربی ایورسٹ کے مین لونگ (Main Longe) گلیشیئر پر کھینچی تھیں۔نشان 3"1 لمبے تھے۔کھلبلی مچ گئی۔کھوجی افراد کی اس میں دلچسپی اتنی بڑھی کہ کئی لوگ یتی کی تلاش میں نکل پڑے۔ نیپال حکومت نے 1950 میں لائسنس جاری کردیے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ یتی کی تلاش میں جاسکیں۔

ابتدا میں یہی مانا جاتا تھا کہ یتی برف بھالو کی ایک شکل ہے مگر پیروں کے نشانات نے اس قیاس کو غلط ثابت کردیا۔ کئی لوگوں نے یہ نشانات دیکھنے کا دعویٰ کیا مگر ثبوت پیش نہ کرسکے۔

ہمالیائی کھوجی برائن بارنے Brayan Barne نے 1959 میں ارون گھاٹی میں یتی کے پاؤں کے نشان دیکھے۔ اٹلی کے ایک کوہ پیما رینالڈ میسنر (Renald Mesner) نے یتی کو دیکھنے کا دعویٰ کیا۔

ابھی کچھ برس پہلے بھارتیہ فوج نے یتی کو دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ ثبوتوں کے ساتھ یتی کے وجود کو ثابت کیا گیا ہے۔فوج نے اپنے ٹویٹر ہینڈل پر یتی کے پیروں کے نشانات کی تصاویر شیئر کرتے ہوئے ٹویٹ کیا ہے، ''پہلی مرتبہ بھارتیہ سینا کی کوہ پیما ٹیم نے 9 اپریل 2019 کو مکالو بیس کیمپ (Makalo Base Camp) کے نزدیک برف کے آدمی یتی کے 32x1"5 والے عجیب وغریب پیروں کے نشان دیکھے ہیں۔ یہ جادوئی برف کا آدمی اس سے پہلے مکالو برون (Makalo Barun) نیشنل پارک میں دیکھا گیا تھا۔''

یتی آج بھی دنیا کے لیے معمہ بنا ہوا ہے۔

■

Dr. Bano Sartaj
'Sartaj House' Jindran Nagar
Near 1st MSEB Tower
Pandharkawada Road
Yavatmal - 445001 (MS)

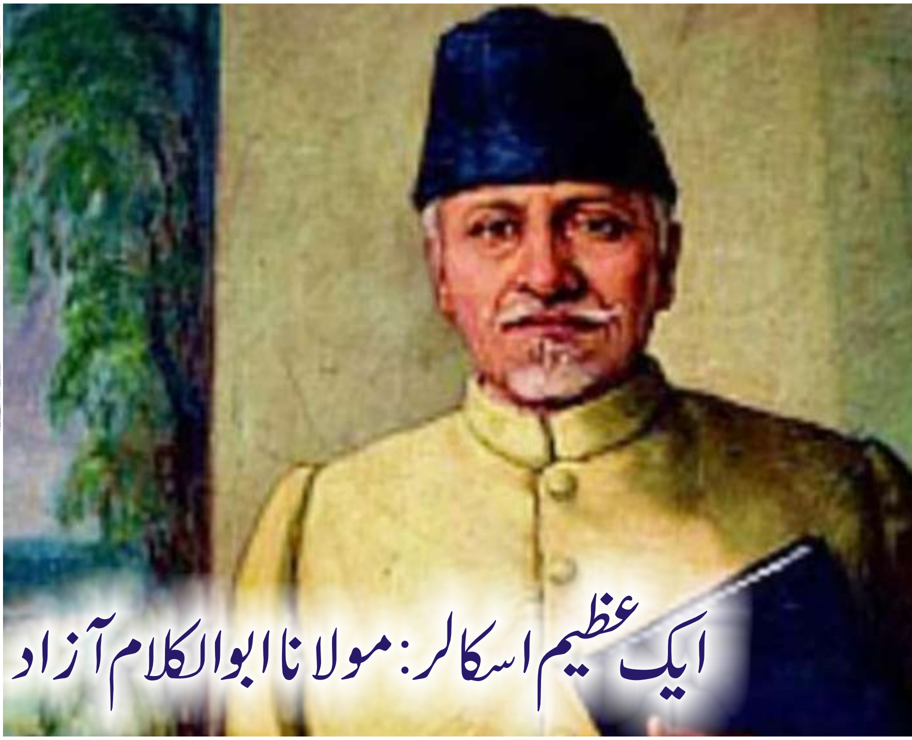

ایک عظیم اسکالر: مولانا ابوالکلام آزاد

سیدہ نوشاد بیگم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بچو! ہمارے عظیم لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد کا یوم ولادت 11/نومبر 1888 ہے۔ یہ مقدس شہر مکہ میں پیدا ہوئے جو کہ سعودی عرب میں ہے۔ بعد ازاں ان کا خاندان مکہ سے کلکتہ میں آکر رہائش پذیر ہوا۔ وہ دور انگریزوں کی حکومت کا تھا۔ انھیں علم سے بہت دلچسپی تھی۔ 10 سے 12 سال کی عمر میں انھوں نے اپنی ایک لائبریری بنائی تھی۔ عربی، اردو، فارسی اور انگریزی زبانیں انھوں نے سیکھیں۔ سترہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے مصر گئے۔ قاہرہ کی مشہور عالمی یونیورسٹی الازہر میں انھوں نے دو سال تک تعلیم حاصل کی۔

1912 میں انھوں نے ایک اردو ہفت روزہ 'الہلال' نامی پرچہ نکالا جس کے ذریعے وہ لوگوں کو اتحاد و اتفاق، مساوات اور مذہبی یکسانیت کے علاوہ بھائی چارے کا پیغام دیتے۔ 1915 میں انگریز حکومت نے ان کا یہ اخبار بند کر دیا کیونکہ وہ گورے لوگوں کے خلاف ہندوستانی عوام کو بیدار کرتے تھے۔ بعد ازاں انھوں نے 1916 میں 'البلاغ' نامی ہفت روزہ شروع کیا۔ اس کے ذریعے بھی وہ عوام کو تحریکِ آزادی کا پیغام دیتے۔ وہ انگریز حکومت کے ہاتھوں بہت ظلم و ستم سہہ کر بھی بے خوف اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ تب انگریز حکومت نے انھیں ان کے ہی گھر میں نظر بند کر دیا تھا۔ اس نظر بندی کے دوران انھوں نے دو اہم کتابیں تحریر کیں جن میں سے ایک 'غبارِ خاطر' اور دوسری 'ترجمۂ قرآن پاک' تھی۔

وہ ایک اسکالر مانے جاتے تھے کیونکہ ان کے والدین بھی اسکالر تھے۔ آزادی کی تحریک میں ان کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ انھیں مردِ مجاہد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے نہایت اہم اور سرگرم لیڈر تھے، خزینۂ علم و دانش تھے۔ کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور پورا ہندوستان ان کی ذہانت کا قائل تھا کیونکہ 16-15 سال کی عمر میں ہی انھوں نے اپنے رسالوں اور مقالوں کے ذریعے اپنی ذہانت کی دھاک بٹھا دی تھی۔ ہندوستان کے تمام سیاسی لیڈران، علما و دانشوران ان کی عقل و فہم اور ذہانت کے قائل تھے۔

آپ ان کی اہمیت اور قابلیت کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ گاندھی جی، نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد وغیرہ جیسے بااثر ہندو لیڈروں کی موجودگی میں مولانا آزاد کو کانگریس نے ان کی کم عمری میں ہی صدر بنا دیا تھا۔ وہ تین مرتبہ کانگریس پارٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ انھیں پڑھنے لکھنے کا بہت شغف تھا، ہمیشہ حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے۔ 16-15 سال کی عمر میں ہی وہ بڑی عمر کے افراد کو پڑھانے کا کام کرتے۔

جنگِ آزادی میں تحریکِ عدم تعاون، تحریکِ سول نافرمانی میں حصہ لے کر انگریز حکومت کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے میں بہت بڑا رول ادا کیا تھا۔ انھیں آزاد بھارت کا اوّل وزیرِ تعلیم بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس وقت تعلیمی فروغ کے لیے کئی بڑے تعلیمی ادارے قائم کیے۔ وہ گاندھی واد کے حامی تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ملک کی تقسیم ہو، یکسر وہ بٹوارے کے خلاف تھے۔ وہ کہا کرتے کیا ہم ایک ماں کو سب مل کر دو ٹکڑوں میں بانٹ دیں گے۔ ”میں جیتا ہوں تیرے لیے اے پیارے ہندوستان۔“ میں نے اس آزادی کا خواب دیکھا ہے جہاں ہندوستان اور پاکستان نہ بنے۔

اسی بنا پر وہ محمد علی جناح کی مخالفت کیا کرتے تھے کہ ہندوستان کے دو ٹکڑے نہ کیے جائیں۔ مولانا آزاد اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہتے دیکھیے ان کے خیالات کی پختگی، اس تحریر کے ساتھ ”آج زلزلوں سے ڈرتے ہو، کیا یاد نہیں کہ تمھارا وجود ایک زلزلہ تھا۔“

مولانا ابوالکلام آزاد کو آزاد بھارت کی حکومت نے بھارت رتن کے اعزاز سے نوازا۔ ان کے یومِ ولادت کو پورا ہندوستان قومی یومِ تعلیم کے طور پر مناتا ہے۔ 22/ فروری 1958 کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اپنے پیچھے ثقافت اور صحافت کا بہترین نمونہ چھوڑ گئے۔

■

Syeda Naushad Begum
Shri Darshan Apt , B - 203
Mumbai Pune Road, Shastri Nagar, Kalwa
Distt.: Thane - 400605 (Maharashtra)
Mob.: 9867650210
velocity1engterprise@gmail.com

مضمون

بیگم حضرت محل

(ہندوستان کی پہلی عظیم خاتون مجاہد آزادی)

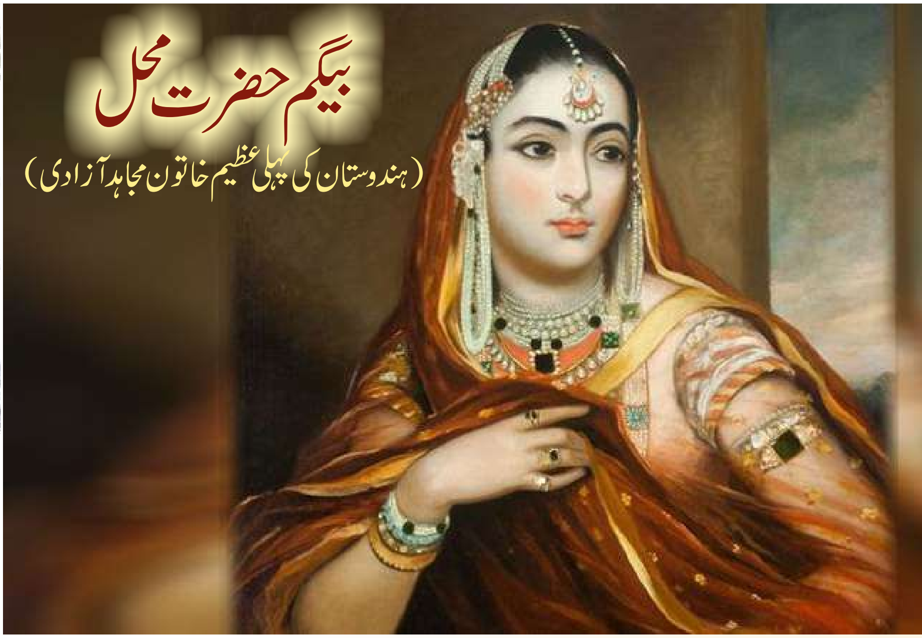

رئیس صدیقی

بیگم حضرت محل کو بیگم اودھ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان کی، خاص طور سے اودھ کی پہلی اور عظیم خاتون مجاہد آزادی تھیں اور برطانوی سلطنت کے ظلم و جبر کے خلاف خاتون جنگجوؤں میں سے ایک دلیر انقلابی خاتون تھیں۔ بیگم حضرت محل نے 1857 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل ہوکر اودھ، خاص طور پر لکھنؤ میں جنگی قیادت سنبھالی تھی۔ اس دلیر اور بہادر خاتون نے ہندوستانی تاریخ میں پہلی جنگ آزادی کی واحد عظیم جنگجو خاتون رہنما کے طور پر اپنا ناقابل فراموش کردار ادا کیا تھا۔ ملکہ اودھ نے زندگی بھر برطانوی سامراج کے خلاف سیاسی اور جنگی مزاحمت جاری رکھی۔

1820 میں بیگم حضرت محل فیض آباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کا نام محمدی خانم رکھا گیا۔ وہ فیض آباد (اودھ) سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی شادی اودھ کے بادشاہ، آخری تاجدار اودھ، واجد علی شاہ سے ہوگئی۔ ان کے بیٹے، اودھ کے شاہی وارث، برجیس قدر کی پیدائش کے بعد انھیں حضرت محل کے لقب سے نوازا گیا۔

1856 میں، برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست اودھ پر اپنا کنٹرول حاصل کرلیا اور نواب واجد علی شاہ کو کلکتہ (موجودہ کولکاتا) میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا۔ دراصل مغل اور انگریزوں کے درمیان ایک جنگی معرکے میں اودھ کی فوج نے مغل فوج کے ساتھ مل کر مقابلہ کیا تھا۔ اس جنگ میں گورے (انگریز) جیت گئے اور تب سے گوروں کے نشانے پر اودھ آگیا اور موقع ملتے ہی انگریزوں نے اپنی شاطرانہ سازشوں سے اودھ پر فوجی قبضہ کرلیا۔ بیگم حضرت محل نے اس فیصلے کی مخالفت کی لیکن ان کی ایک نہ چلی اور واجد علی شاہ کو اودھ چھوڑ کر کلکتہ میں جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی، لیکن بیگم اودھ نے انگریزوں کے سامنے جھکنے سے انکار کردیا اور خود اپنی

سیاسی اور مسلح جدوجہد سے اودھ پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

جیسے ہی 1857 میں پہلی ہندوستانی تحریک آزادی شروع ہوئی، بیگم حضرت محل نے اپنے بیٹے شہزادہ برجیس قدر کو ولی عہد یعنی اودھ کا حکمراں بنادیا اور خود رانی ماں کے طور پر اودھ کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لکھنؤ میں اپنے بیٹے کے ساتھ، بیگم نے ریاست اودھ کے امور کی ذمے داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ اپنے انقلابی فوجی دستے کی قیادت بھی انجام دی۔

1857 کی پہلی ہندوستانی تحریک آزادی کے دوران، بیگم حضرت محل کی گوروں سے دو بنیادی شکایات تھیں ۔ مسجدوں اور مندروں کی بے حرمتی، وہ بھی صرف سڑکیں ہموار کرنے کے لیے۔ اس کے علاوہ کارتوسوں میں سوروں اور گایوں کی چربی استعمال کرنا بھی مذہبی طور پر نا قابل برداشت عمل تھا۔ بیگم حضرت محل نے اودھ کے دیہی باشندوں سے اپیل کی اور انھیں اس آزادی کی لڑائی میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ یہاں تک کہ حضرت محل نے اپنی ساری دولت اودھ کے باشندوں کے درمیان بانٹ دی۔ یہ رقم ان ایک لاکھ لوگوں کے درمیان تقسیم کی جو اودھ کی وفاداری کے ساتھ انگریزوں کے خلاف لڑنے اور اودھ پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے میں مدد کے لیے پرعزم تھے۔ ان انقلابیوں نے بڑی وفاداری اور بہادری سے انگریزوں سے مقابلہ کیا اور اودھ و لکھنؤ پر دوبارہ قبضہ حاصل کرلیا۔ بیگم حضرت محل اس آزادی کی جدوجہد میں کامیاب سپہ سالار ثابت ہوئیں اور 5 جولائی 1857 کو، بیگم حضرت محل نے اس شاندار فتح کے ساتھ لکھنؤ میں اودھ کی حکومت کو ایک بار پھر حاصل کر کے اپنے 14 سالہ بیٹے کے حوالے کردیا۔

لیکن 16 مارچ 1858 کو جب برطانوی فوجیں دلی سے گوروں کی مدد کے لیے لکھنؤ پہنچیں تو بیگم حضرت محل نے لکھنؤ اور اودھ کے بیشتر حصے پر اپنا کنٹرول کھودیا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ پیچھے ہٹ گئیں لیکن اس پسپائی کے باوجود، بیگم حضرت محل دوسرے خفیہ ٹھکانوں پر اپنے انقلابی فوجی دستے کو از سر نو منظّم کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

بالآخر، 1859 کے آخر تک، ترائی میں ایک مختصر قیام کے بعد، بیگم اودھ کو نیپال ہجرت کرنا پڑی، جہاں وزیراعظم جنگ بہادر نے پہلے تو پناہ دینے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں ، برطانوی حکومت کے اس مطالبے کے باوجود کہ حضرت بیگم کو ان کے حوالے کر دیا جائے، حضرت محل کو سیاسی پناہ مل گئی۔

کچھ عرصے بعد، انگریزوں نے حضرت محل کو اودھ واپس آنے اور ان کے ماتحت کام کرنے کے لیے بھاری پنشن کی پیشکش کی۔ لیکن حضرت محل نے اسے ٹھکرا دیا اور اپنی آخری سانس تک برطانوی حکومت کے خلاف انقلابی مزاحمت جاری رکھی۔ ان کا انتقال 59 سال کی عمر میں، 7 اپریل 1879 کو کھٹمنڈو، نیپال میں ہوا۔ بیگم حضرت محل کے مجاہدانہ کردار نے انھیں برطانوی سامراج کے خلاف پہلی ہندوستانی تحریک آزادی کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک عظیم خاتون مسلح انقلابی ہیرو کا درجہ دے دیا۔

بیگم حضرت محل کے انتقال کے بعد، 1887 میں ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کے موقعے پر، برطانوی حکومت نے برجیس قدر کو معاف کردیا اور انھیں گھر واپس آنے کی اجازت دے دی۔

بیگم حضرت محل کا مقبرہ جامع مسجد کے قریب کھٹمنڈو کے مرکزی پارک میں واقع ہے۔ مسجد اور اس کی دیکھ بھال جامع مسجد کمیٹی کرتی ہے۔

15 اگست 1962 کو بیگم حضرت محل کو حضرت گنج، لکھنؤ کے پرانے وکٹوریہ پارک میں ''1857 کی پہلی ہندوستانی تحریک آزادی میں بیگم حضرت محل کے مثالی انقلابی کردار'' کو تسلیم کرتے ہوئے اعزاز سے نوازا گیا۔ پارک کے ساتھ ہی ایک سنگ مرمر کی یادگار بھی تعمیر کی گئی جس میں اودھ شاہی خاندان کی اہم نشانیوں پر مبنی پیتل کی چار گول تختیوں کے ساتھ سنگ مرمر کا کتبہ بھی شامل ہے۔

10 مئی 1984 کو حکومت ہند نے بیگم حضرت محل کے اعزاز میں ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیا اور ہندوستانی اقلیتی امور کی وزارت نے اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والی ہونہار لڑکیوں کے لیے بیگم حضرت محل نیشنل اسکالرشپ شروع کی۔ اس اسکالرشپ کو مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے ذریعے لاگو کیا گیا۔

بیگم حضرت محل ہم سب کے لیے ایک عظیم مثالی مجاہد آزادی تھیں کیونکہ انھوں نے دنیا کے سب سے بڑے طاقتور نوآبادکار، برطانوی سامراج کا تنہا مقابلہ کیا۔ اتنا ہی نہیں، انھوں نے عدم مساوات اور ناانصافی کے خلاف آواز بھی بلند کی تھی۔ وہ مذہبی رواداری اور دوستی کی علامت کے طور پر بھی کام کرتی رہیں۔ وہ اپنے وقت کی قومی یک جہتی، آپسی میل جول اور گنگا جمنی تہذیب کی علم بردار تھیں۔ ہم سب اہل وطن کی طرف سے انھیں دل کی گہرائیوں سے لاکھوں سلام!

■

Rais Siddiqui
Bunglow No.2 - Rahat Kada
14-Green Valley Enclave
Airport Road,Bhopal-462 030 (MP)
Mob:9810141528
Email: rais.siddiqui.ibs@gmail.com

عظیم اقبال

ڈرومت

بچو! آج ہم کچھ باتیں ڈر کے حوالے سے کریں گے۔ڈر بھی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ہمارے محلے میں ایک لڑکی کو میں نے ایک دن دیکھا کہ وہ کتوں سے ڈر رہی تھی۔ اس لڑکی کے کتوں سے ڈرنے کا واقعہ تنہا نہیں ہے۔ دیکھیں تو کتوں سے ڈرنے والے لوگ بے شمار ہیں! کتوں سے ڈرنے کو تکنیکی زبان میں سائنوفوبیا (Cyno Phobia) کہتے ہیں۔اس ڈر کی وجہ حقیقی کے ہمراہ خیالی بھی ہوسکتی ہے۔ویسے کتوں سے ڈرنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے،لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو چوہے سے ڈرتے ہیں!

اقسام: آیئے مختلف قسم کے ڈروں میں سے چند پر نظر ڈالتے ہیں۔ساتھ ہی ان کے خطاب کا جائزہ بھی لیتے ہیں۔

* آسمانی بجلی سے ڈرنا(Astro Phobia)
* پانی سے ڈرنا(Hydro Phobia)
* اونچائی سے ڈرنا(Aero Phobia)
* روشنی سے ڈرنا(Ohoto Phobia)
* آگ سے ڈرنا(Pyro Phobia)
* اجنبیوں سے ڈرنا(Xeno Phobia)

ڈر کے عمل کو جدید لاطینی (Latin) زبان میں فوبیا (Phobia) کہتے ہیں۔ اسی لیے مختلف چیزوں، حالتوں اور جانداروں سے ڈرنے کے عمل کو مذکورہ لفظ سے مربوط کر کے مطلب نکالا جاتا ہے۔

ڈر کی توجیہ: ہم کہہ سکتے ہیں کہ جسے ہم نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے،اس سے ڈرتے ہیں۔ایسا ہوسکتا ہے کہ آشنائی کے بعد اس سے ڈر نہ رہے۔

مثال: بچہ آگ سے اس وقت ڈرتا ہے، جب تک کہ وہ آگ کی ماہیت سمجھ نہ لے! ایک بار آگ کو چھو کر اس کی اصلیت کی طرف جائے گا۔ پھر وہ آگ سے ڈرے گا نہیں،البتہ اس سے محتاط رہے گا۔

طالب علم امتحان سے اس وقت ڈرتا ہے، جب تک کہ اس سے گزر نہ جائے۔ صرف ایک پرچہ جاتے ہی امتحان کا ڈر چلا جاتا ہے۔

تجربہ: آپ کو تجربہ ہوگا کہ آپ کا پالتو جانور اجنبی لوگوں سے ڈرتا ہے۔ اس ڈر کا اظہار وہ اپنی مخصوص آواز نکال کر کرتا ہے یا راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے۔ اجنبی شخص سے گھل مل جانے پر اس کا ڈر جاتا رہتا ہے۔

ایک غلطی: گاہے بہ گاہے بچوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کا عمل عام ہے۔ اس سے بچے ڈر تو جاتے ہیں، لیکن ان کی کردار سازی متاثر ہوتی ہے۔ جن، بھوت یا کسی دیگر غیر مرئی وجود کے ذکر سے ایک دفعہ بچہ ڈر جائے تو اس کے تئیں اس کا نظریہ شاید ہی بدلتا ہے۔ اندھیرے میں جانے یا رہنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ اسے ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ چونک جانے اور جاگ کر اٹھ بیٹھنے کے مرض سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ اطمینان کے لیے ڈاکٹر، حکیم، وید کے علاوہ پنڈت، مولوی، مولانا، دعا، تعویذ، جھاڑ پھونک سب کو آزمایا جاتا ہے۔ ان سب سے توہم پرستی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ناکامی کا ڈر: بہت سارے لوگوں کو کچھ نیا کرنے میں اس لیے جھجک ہوتی ہے کہ انھیں ناکامی کا ڈر رہتا ہے۔ واقعتاً یہ صرف ذہنی اپج ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس ڈر سے محنت، توجہ و رجحان میں کمی آتی ہے، ذہنی یکسوئی، مشکوک ہوجاتی ہے، اور بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

اجنبی علاقوں کی سیاحت کرنے والے، پہاڑوں کو سر کرنے والے اور سمندر کی تہیں کھنگالنے والے اگر ڈر میں مبتلا ہوجائیں تو مشکل راہوں پر چلنے والوں کا کام آسان ہوجائے گا۔ پھر تو نہ تجربے ہوسکیں گے، نہ آزمائشیں ہوسکیں گی، اور نہ ہی نئے نئے انکشافات ہوسکیں گے۔

یہ سچ ہے کہ ڈر سے قوتِ فیصلہ کمزور ہوتی ہے۔ اس سے آدمی کا نقصان ہوتا ہے۔ وہ ہر قدم پر ڈرتا ہے، گھبراتا ہے، نتیجتاً وہ نہ کچھ نیا کر سکتا ہے نہ بڑا!

یہاں یہ دہرانا مناسب ہوگا کہ سب سے بڑی غلطی وہ کرتا ہے، جو غلطی کرنے سے ڈرتا ہے۔

اختتامیہ: عزیز دوستو! آپ کو فلم، شعلے کے ولن گبر سنگھ (امجد خان) کا یہ مکالمہ یاد رکھنا چاہیے۔

”جو ڈر گیا سمجھو وہ مرگیا۔“

یاد رکھیے، آپ کا عزم، حوصلہ اور ارادہ آپ کو ثابت قدم بنا دے گا اور آپ کے اندر سے خوف و ہراس نکل جائے گا، نتیجتاً آپ فاتح ہوں گے۔

چلتے چلتے آپ کے لیے پیغام ہے ”ڈرو مت!“

پس نوشت: دوستو! ڈر کا ایک دوسرا روپ بھی ہے جس کی رو سے لازم ہے کہ ہم ڈر سے پہلو تہی کے بجائے اس پر آمادہ ہوں۔ مثال کے لیے ہم اللہ سے ڈریں، کسی گناہ کے ارتکاب سے ڈریں، بدی سے اور بدنامی سے ڈریں، حق تلفی، خیانت، بدزبانی، دروغ گوئی اور دل آزاری سے ڈریں۔

ایسا کرکے ہم دنیا میں سرخرو ہوں گے اور ساتھ ہی عاقبت سنواریں گے!

■

Azim Iqbal
Ganj No: 01
Bettiah - 845439
Mob.: 9006502649

مضمون

شمیم احمد مدنی

کچھ وقت کے بارے میں

بچو ! وقت کے بارے میں سب لوگ ہر وقت کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں مگر اس کے بارے میں لوگ زیادہ نہیں جانتے۔آؤ آج اس کے بارے میں کچھ باتیں کریں۔

انسان جب سے باشعور ہوا تبھی سے اسے وقت سے سابقہ پڑتا رہا ہے۔وقت شاید انسان کی پیدائش سے پہلے ہی موجود تھا جس کی نہ کوئی ابتدا تھی اور نہ ہی انتہا۔

ازل اس کے پیچھے ابد اس کے آگے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد اس کے آگے

اس سے پہلے انسانوں نے وقت کو پہچاننے کی بہت کوششیں کر لی تھیں۔ابتدا میں اجرام فلکی کی حرکتوں سے وقت کو گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ پھر سورج کی شعاعوں اور اندھیرے اجالے کی مدد سے وقت کا اندازہ لگایا گیا۔مزے کی بات یہ بھی ہے کہ گرتے ہوئے پانی کے قطروں کے شمار سے بھی وقت کا اندازہ لگایا گیا۔ دھوپ گھڑی (Sun Dial) بھی بنالی۔دہلی کے جنتر منتر پر اس کی مثال موجود ہے۔

رفتہ رفتہ علم و تجربے میں اضافے کے ساتھ فلسفیوں اور دانشوروں نے اس مسئلے کو سلجھانے کی اپنی جیسی کوششیں کیں۔کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ انسانی ادراک کی اختراع ہے۔کلیت پسندوں (Absolutists) کا کہنا تھا کہ وقت طبیعی دنیا سے آزاد ایک صندوق (Container) کی مانند ہے جس میں قدرت نے ہر آن تغیر پذیر طبیعی کائنات کو مقید کر رکھا ہے۔مزید یہ کہ یہ طبیعی دنیا سے آزاد ایک غیر مرئی تصوراتی شے ہے۔اس کے برعکس اضافیت (Relationists) کے دعویداروں کا یقین ہے کہ وقت متواتر تبدیل ہونے والی طبیعی دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔یعنی طبیعی دنیا میں ہونے والی مسلسل تبدیلیوں کا دوسرا نام ہی وقت ہے۔

"Time is nothing over and above change in the physical universe."

اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ وقت کی نہ تو صورت ہے اور نہ ہی جہت یعنی:

It lacks spatial dimensions.

وقت کے بارے میں اسی قبیل کی بحثیں جاری تھیں کہ آئن اسٹائن (Einsteine) کی اضافیت تھیوری (Theory of Relativity) نے وقت کے سلسلے میں حتمی فیصلہ کر دیا کہ:

"Time cannot be treated in isolation from space."

آئن اسٹائن نے Time کے ساتھ Space کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ زبان عربی میں وقت کے لیے زمان اور Space کے لیے مکان (خلا۔جگہ۔فاصلہ) کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہاں پر یہ بھی جان لو کہ زمان سے ہی لفظ زمانہ بنا ہے۔ چنانچہ آئن اسٹائن کے مطابق زمان (Time) مکان (Space) لازم وملزوم ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔

آئن اسٹائن کے مطابق عرصہ زمین پر فاصلہ (Space) ہی وقت ہے۔ خط استوا پر زمین کا محیط چالیس ہزار کیلو میٹر ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ زمین اپنے محور پر چالیس ہزار کیلو میٹر کی ایک مکمل گردش (طلوع آفتاب سے دوسرے طلوع آفتاب تک) جس مدت میں پوری کرتی ہے اسی مدت (Period) کو وقت کہتے ہیں۔ اس طرح چالیس ہزار کیلومیٹر (Space) ہی کو وقت قرار دے کر اس کو 24 برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حصے کو ساعت یعنی گھنٹہ کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں زمین کی ایک مکمل گردش ایک دن کہلاتی ہے۔ شاید اسی لیے علما نے گردشِ ایّام کی اصطلاح اختیار کی ہے۔

وقت کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیے کہ زمین سورج کے گرد اپنے مدار پر 365 دن 6 گھنٹوں میں ایک پورا چکر لگاتی ہے۔ مگر ماہرین نے سہولت کے لیے ایک سال 365 دن ہی کا بنا رکھا ہے۔ 6 گھنٹوں کی کمی کو چار برسوں میں 24 گھنٹے یعنی ایک دن بنا کر چوتھے سال کو 366 دنوں کا مان لیا ہے۔ چنانچہ اسی چوتھے سال کو leap year کہا جاتا ہے۔

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ در اصل فاصلہ ہی وقت ہے۔ اپنی دیوار پر یا کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالیے۔ دیکھیے گا کہ گھڑی کی سوئی ڈائل پر فاصلہ ہی طے کر رہی ہوتی ہے۔

بچو! وقت کے سلسلے میں کچھ ضروری اصطلاحیں (Terms) بھی مستعمل ہیں جن کی تفہیم بھی ضروری ہے ورنہ بات نامکمل رہ جائے گی۔ یہ اصطلاحیں درج ذیل ہیں:

1. گرین وِچ مین ٹائم (Greenwich MeanTime or GMT): شہر لندن کے جنوب میں دریائے ٹیمس (River Tames) کے ساحل پر واقع علاقے کا نام گرین وِچ ہے جہاں برطانیہ کی مشہور رائل اسٹرونومیکل آبزرویٹری (Royal Astronomical Observatory) قائم تھی اور جہاں سے زیرو ڈگری طول البلد کو گزرتا ہوا تسلیم کر لیا گیا تھا جس کو پرائم میریڈین (Prime Meridian) کہا جاتا ہے۔ اسی طول البلد کے سولر ڈے (Solar Day) یعنی اسٹینڈرڈ ٹائم کو بنیاد مان کر بین الاقوامی سطح پر وقت کا

تعین کیا جاتا ہے۔اس مقام سے مشرق کی جانب وقت میں فی طول البلد 4 منٹ کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔سابق میں اسی زیرو مریڈین (meredian) سے دن کے بارہ بجنے کے بعد نئے دن کا آغاز سمجھا جاتا تھا۔مگر وقت کے تعین میں کچھ دشواریوں کے سبب 1925 میں سسٹم میں تبدیلی لاکر نئے دن کا آغاز رات 12 بجنے کے بعد مان لیا گیا۔مزید یہ کہ 1928 میں گرین وچ ٹائم کا نام بدل کر یونی ورسل ٹائم (Universal Time) کردیا گیا۔

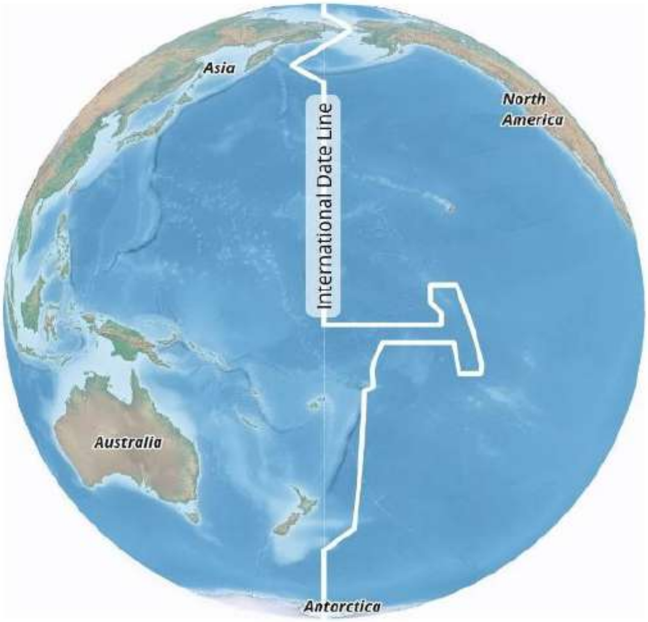

2.ٹائم زون (Time Zone) : خط استوا کو وقت کے اعتبار سے 24 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ہر حصہ 15 ڈگری طول البلد کی وسعت کا ہوتا ہے۔اسی کو ٹائم زون کہا جاتا ہے۔ہر ملک اور علاقے کا حکومت کے ذریعے اعلان کردہ اپنا الگ ٹائم زون ہوتا ہے جس کو گھٹانے بڑھانے کا اس کو اختیار ہے۔بھارت کا اپنا ایک ٹائم زون ہے جب کہ USA میں پانچ ٹائم زون ہیں۔

3.انٹرنیشنل ڈیٹ لائن (International Date Line): 180 ڈگری طول البلد کو انٹرنیشنل ڈیٹ لائن کہا جاتا ہے۔سمندری سفر کرنے والوں کو اس لائن کو پار کرنے پر ایک دن کا اضافہ یا کمی کرنی پڑتی ہے۔مشرقی منطقے (Eastern Hemisphere) سے مغربی خطے میں داخلے پر ایک دن کی کمی کی جاتی ہے۔اس کے برعکس مغرب سے مشرق میں دخول پر ایک دن کا اضافہ ہوتا ہے۔مشرق میں اگر جمعہ کا دن ہے تو مغرب میں دن جمعرات کا ہوگا۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ڈیٹ لائن کو محض پانی سے گزارا گیا ہے۔خشکی سے نہیں۔اس لیے کہ خشکی پر انسانی بستیاں ہوتی ہیں۔خشکی پر ڈیٹ لائن کی وجہ سے باشندوں کو وقت کے سلسلے میں دشواریاں پیش آسکتی تھیں۔عجیب بات ہوتی اگر ایسا ہوتا تو اسی شہر نئی دہلی کناٹ پلیس میں جمعہ کا دن اور بٹلہ ہاؤس کے علاقے میں جمعرات کا دن ہوتا۔

حوالہ جات: اس مضمون کی تیاری میں جغرافیہ کی متعدد کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔بیشتر استفادہ بریٹانیکا، ریڈی ریفرنس انسائکلو پیڈیا کی جلد 4 اور 9 سے کیا گیا ہے۔

■

Syed Shamim Ahmad Madni
05, Cross Road, 10/A
Azad Nagar, Post .: Mango
Jamshedpur - 831012 (Jharkhand)
Mob.: 8969850416
belal.ahmad101@gmail.com

گلشن مسرت

مضمون

مایوس آنکھوں میں امید کا دیا

(پی ایم کیئرس فار چلڈرن)

حادثات انسانی زندگی کی وہ سچائی ہیں جنھیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ انسانی زندگی ابتدا سے ہی قدرتی وباؤں اور آفات کا شکار رہی ہے لیکن وقت کے ساتھ ہونے والی ترقی اور انسانی جدو جہد نے کبھی ان سے نمٹنے اور کبھی ان کے اثرات سے پیش آنے والی دشواریوں کا سامنا کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہے۔

سال 2020 بھی کچھ اسی طرح کا سال گزرا جس کے وبائی دور نے اپنوں کو اپنوں سے جدا کر دیا۔ مارچ 2020 سے قبل شاید کسی نے ایسا سوچا بھی نہ ہوگا کہ عالمی سطح پر دنیا اس عظیم وبائی مرض کا شکار ہو جائے گی اور لاکھوں انسانوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا لیکن سال 2020 ایک ایسے ہی سال سیاہ کے طور پر یاد کیا جائے گا جس نے عالمی سطح پر زندگی کو اتھل پتھل کر دیا۔

عالمی سطح پر اس وبا کو Covid 19 کا نام دیا گیا۔ ہندوستان بھی بری طرح اس وبا کی چپیٹ میں آ گیا۔ متاثرہ خاندانوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ اپنوں نے اپنوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا۔ وبائی امراض کے دوران شدید طور پر متاثرین میں ایسے خاندان بھی شامل تھے جو پوری طرح لقمہ اجل بن گئے اور پیچھے صرف گھر کا کوئی واحد فرد یا والدین کی وفات کے بعد کوئی

سرپرست اور کفیل باقی نہ بچا صرف بچے باقی رہ گئے۔ متاثرہ بچے کئی خطرات اور خدشات کا شکار ہوئے۔ ان کے روزمرہ کا معمول بری طرح متاثر ہوا، تعلیم سے دستبردار ہونے کے علاوہ ان کی کفالت اور رہائش ایک اہم مسئلہ تھا۔

حکومت ہند ملک گیر سطح پر عوامی فلاح و بہبود کی ہمیشہ خواہاں رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں متواتر کوشاں ہے یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً عوام کے مفاد میں مختلف اسکیم اور تجاویز سامنے آتی رہتی ہیں۔ جن میں خصوصی طور پر خواتین اور بچوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ Covid 19 کے عالمی وبائی دور میں ملکی اور عالمی سطح پر اس وبائی دور سے نمٹنے کے لیے جو بھی امداد PM Cares Fund کو حاصل ہوئی عزت مآب وزیر اعظم نریندر مودی نے ان تمام رقم کو ملکی فلاح کی خاطر استعمال کرنے کی غرض سے ایک اہم فیصلہ لیتے ہوئے PM Cares for Children کا انعقاد کیا جو Covid 19 کے متاثرین اور پسماندگان کے لیے ایک بڑی سوغات ثابت ہوئی۔ پی ایم کیئرس فار چلڈرن اسکیم ملک کے تمام اضلاع، ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظامیہ علاقوں میں نافذ کی جائے گی۔

یہاں ہم اس اہم حکومتی اسکیم PM Cares for Children کی اہمیت اور اس کے فوائد کے متعلق جاننے کی کوشش کریں گے۔

ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے بنیادی مقصد کے ساتھ وزیر اعظم نے خواتین اور بچوں کی بہبودی وزارت (Ministry of Women and Child Development) کے تحت متاثرہ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے PM Cares for Children کا جاری کیا اور معاون وزارتوں، ریاستی اور ضلع انتظامیہ کو اس کے ساتھ مل کر اسے نافذ کرنے کی ذمے داری سونپی گئی۔ جس کا مقصد Covid 19 وبائی امراض سے متاثرہ افراد کو ریلیف فراہم کرنا ہے۔ PM Cares for Children کو وزیر اعظم شہری امداد اور ہنگامی حالات میں ریلیف فنڈ (پی ایم کیئرس فنڈ) کے نام سے قائم کیا گیا۔ پی ایم کیئرس فنڈ کو پبلک چیریٹیبل ٹرسٹ کے طور پر رجسٹر کیا گیا جسے ایکٹ 1908 کے تحت نئی دہلی میں 27 مارچ 2020 کو رجسٹر کیا گیا PM Cares for Children کی ابتدا 29 مئی 2021 کو ہوئی۔ اس کا مقصد ان بچوں کی مدد کرنا ہے جنھوں نے 11 مارچ 2020 سے شروع ہونے والی مدت کے دوران والدین یا قانونی سرپرست یا گود لینے والے والدین کو کووڈ 19 وبائی مرض میں کھو دیا ہے۔ اس فنڈ کے تحت ان بچوں کے لیے جامع مدد کا اعلان کرنا ان کی دیکھ بھال اور تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔ ہیلتھ انشورنس کے ذریعے ان کی فلاح کا خیال رکھنا، انھیں تعلیمی اعتبار سے بااختیار بنانے میں مدد کرنا اور 23 سال کی عمر تک پہنچنے پر مالی مدد کے ساتھ انھیں خود کفیل بنانا ہے۔

اس اسکیم میں چند اہم نکات شامل ہیں جن کے تحت یہ اسکیم عمل میں آتی ہے۔

خواتین اور بچوں کی فلاحی وزارت کے تحت کووڈ 19 میں ملک گیر سطح پر متاثرہ افراد کے لیے اس اسکیم جاری کی گئی ہے۔ جس میں شامل ہونے والے یتیم بچوں کی تعداد 2200 سے زائد ہے۔

اسی اسکیم کے تحت بچوں کی پرورش، رہائش، مفت

تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ بچے یا دیکھ بھال کرنے والے یا CWC اور دوسری ایجنسی کے ذریعے PM Cares for Children پورٹل پر بھرے جانے والے ضروری دستاویزات کے ساتھ پی ایم کیئرس فار چلڈرن اسکیم کے تحت ہر ایک بچے کے لیے 10 لاکھ کا ایک (Corpus) تیار کیا جائے گا کرپس کے معنی وہ تمام رقم ہے جو اس عمل میں خرچ کی جائے گی۔ اس رقم کی مکمل ادائیگی بچے کے فکس ڈپازٹ اور بینک اکاؤنٹ میں کی جاتی ہے۔ یہ تمام رقم پی ایم کیئرس فار چلڈرن فنڈ کی طرف سے ہر بچے کے لیے خرچ کی جائے گی اور اس رقم کا استعمال تب تک کیا جائے گا جب یہ بچہ 18 سال کا ہو جائے گا۔

اس اسکیم کے تحت 10 سال سے کم عمر والے بچوں کو کیندریہ ودیالیہ اور کسی بھی پرائیویٹ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت فراہم کرائی جائے گی اور تمام تعلیمی اخراجات حکومت کی جانب سے پورے کیے جائیں گے۔ اگر بچہ پرائیوٹ اسکول میں داخلہ لیتا ہے تو اسکول کی فیس رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ 2009 کے تحت ادا کی جائے گی۔ ساتھ ساتھ یونیفارم کتابیں اور باقی اخراجات بھی حکومت کی جانب سے ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ 11 سال سے 18 سال کے بچے رہائشی اسکول میں داخلہ لے سکتے ہیں ان اسکولوں میں سینٹرل گورنمنٹ کی طرف سے سینک اسکول اور نوودیہ ودیالیہ میں ان بچوں کو داخلہ دیا جائے گا۔ 18 سال سے کم عمر کے بچے کے رشتے داروں کے ساتھ رہنے پر -/4000

فی بچہ ملتے ہیں۔ CCIs میں رہنے والے بچوں کے لیے، رقم CCIs کو ادا کی جائے گی۔

18 سال کے بعد ان بچوں کو اعلی تعلیم کی غرض سے 20,000 روپیہ تک کی رقم وظیفے کی صورت میں ادا کی جائے گی۔ اس کے تحت جس بھی کورس میں بچہ داخلہ لیتا ہے اس کی فیس وہ اس وظیفے کی رقم سے ادا کرے گا اور اگر بچہ اپنی اعلی تعلیم کی لیے کسی طرح کا لون لیتا ہے تو اس کا انٹرسٹ حکومت کی جانب سے ادا کیا جائے گا لیکن لون کی اصل رقم اور کورس فیس بچے کو ادا کرنی ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی تمام (Institutes of higher education) کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ پی ایم کیئرز فار چلڈرن اسکیم کے تحت بچوں کے لیے سپر نمبرری سیٹیں بنائیں۔

بچے سپر نمبرری کوٹہ کے تحت پولی ٹیکنک اداروں میں داخلے کے اہل ہو کر پروفیشنل تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ فی کورس فی انسٹی ٹیوٹ میں دو غیر معمولی نشستیں ان بچوں کے لیے محفوظ ہوں گی۔

23 سال کی عمر کا ہو جانے پر باقی بچی ہوئی رقم کو ایک لم سم رقم کی صورت میں بچے کو ادا کی جائے گی جسے وہ پروفیشنل اور ذاتی استعمال میں لے کر اپنی ذمے داری اٹھانے کے قابل بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ان تمام بچوں کو حکومت ہند کی جانب سے ایک صحت بیمہ بھی فراہم کرایا جائے گا جو کسی بھی طرح کی بیماری میں بچے کے علاج پر خرچ کیا جائے گا۔ یہ سہولت حکومت کی جانب سے ایوشمان بھارت اسکیم کے تحت دی جائے گی۔ اس بیما کی رقم پانچ لاکھ تک ہوگی اور اس تمام رقم کے پریمئیم کی ادائیگی بھی حکومت کی جانب سے کی جائے گی۔

اسکیم کے فوائد کس طرح حاصل کیے جا سکتے ہیں اور کون سے افراد اس کے اہل ہوں گے۔

سب سے پہلے پی ایم کیئرس فور چلڈرن پورٹل پر جا کر بچے کا رجسٹریشن کروانا ہوگا۔

اس کے بعد او ٹی پی حاصل ہونے کے بعد بچے کی تمام تفصیلات مثلاً نام، پتہ، تصویر، بھائی بہنوں کی تفصیل، اسٹیٹ، ضلع وغیرہ مع بینک اکاونٹ اور آدھار کارڈ تفصیلات کے ساتھ درج کرنی ہوں گی۔

تمام تفصیلات درج ہو جانے کے بعد اس ایپلیکیشن کا اسٹیٹس چیک کیا جائے گا اسٹیٹس کو ویریفائی کرنے کے بعد فارم کو جمع کیا جاتا ہے۔ فارم کو بھرنے کے دوران پیش آنے والی دقتوں کے لیے فون نمبر بھی فراہم کیے گئے ہیں جو مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

حکومت ہند کی جانب سے PM Cares for Children Fund کے علاوہ دیگر کئی اسکیمس ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر کام کر رہی ہیں اور بہت سے لوگ اس سے فیضیاب بھی ہو رہے ہیں۔ لیکن بعض اوقات لوگ معلومات کی کمی کے سبب ان حکومتی کوششوں سے بے خبر رہ جاتے ہیں اور مستحقین فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حکومت ہند کے یہ اقدامات قابل ستائش اور قابل تحسین ہیں۔

■

Dr. Gulshan Masarrat
347/161/16 Old Tikait Ganj
Lucknow -226017(UP)
gulshan.masarrat9358@gmail.com

شاھد جمیل

مُربّے کا ڈبہ

چچا لے کے آئے مُربّے کا ڈبہ
ہمیں خوب بھائے مُربّے کا ڈبہ

کچن میں پہنچ کر، جہاں بھی رہے وہ
وہیں سے بلائے مُربّے کا ڈبہ

اگر اُس کا بھانڈا جو پھوٹے تو کیا ہو؟
چرا کر جو لائے مُربّے کا ڈبہ

نمک پارے چکھ کر بھلا کیوں دِکھائے؟
جسے ہاتھ آئے مُربّے کا ڈبہ

ذرا ذِکر سے منہ میں آتا ہے پانی
خزانے چھپائے مُربّے کا ڈبہ

چھری اور کانٹے بجیں ساز بن کر
غزل گنگنائے مُربّے کا ڈبہ

مٹھائی کا شوقین، لو، چور بھاگا!
بغل میں دبائے مُربّے کا ڈبہ

■

Shahid Jameel
202, R.D. Mansion, Ashiana-Digha Road
Near- Axis Bank, Post: B.V. College
Patna - 800014(Bihar)
Mob: 9471094149
shahid.jameel6798@gmail.com

نظم

بسم اللہ عدیم برہانپوری

اگیری کلچر

میری کھیتی میری کہانی
مجھ سے سن لو میری زبانی
میں کوئی میوہ اور نہ پھل ہوں
کاٹھ کی صورت اک ڈنٹھل ہوں
میں ہوں سراپا رس بھنڈار
مجھ سے واقف ہے سنسار
سانٹا، گنا، پونڈا اکھ
مجھ سے شفا ہے پی کر دیکھ
ہر موسم میں پایا جاؤں
روپ بدل کے کام میں آؤں
کوئی مٹھائی یا مشروب ہو
میں نے بخشی شہرت ان کو
میری کھیتی کام ہے آساں
مجھ سے مالامال ہے دہقاں
میرے گن ہیں کام انیک
باتیں مٹھی سندر لیکھ
گڑ مالیدہ، گھی شکر کھا
چل مکتب کو جلدی جا
پڑھ لکھ کر یہ کام کرو تم
اگیری کلچر عام کرو تم

■

Bismillah Adeem
Sant Kabeer Mrg
Jawehri Wada, Mahajanpet
Burhanpur- 450331 (MP)
Mob.: 9754242468
tanveerbarkati313@gmail.com

تاج محل

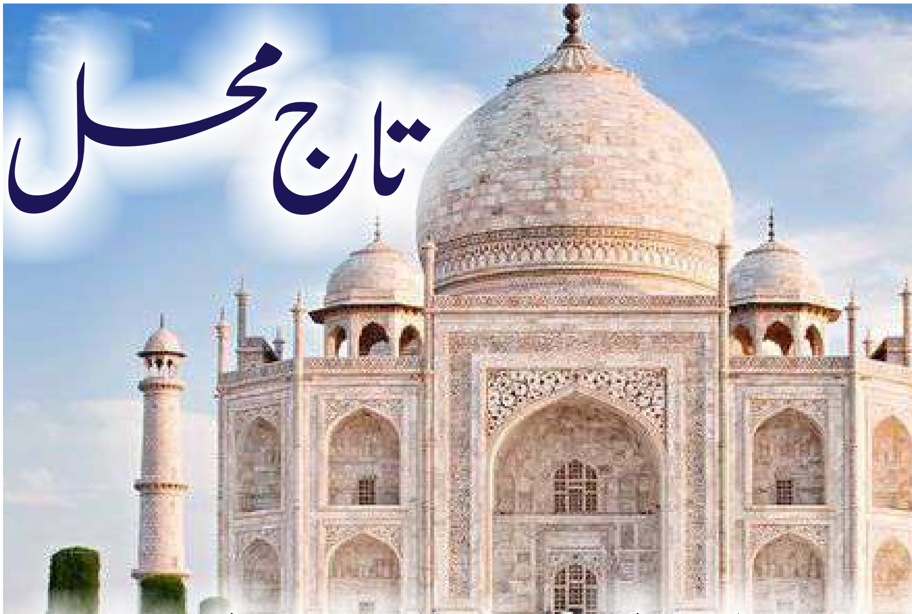

وزیر عالم

بچو! آپ نے دیکھا ہوگا جا کے آگرہ تاج محل
دریائے جمنا کے کنارے دلکش پیارا تاج محل

گر نہ دیکھا ہو تو جا کے دیکھ لو بھیا تاج محل
سنگ مرمر سے جو بنا ہے اجلا اجلا تاج محل

دیکھنے والے دیکھ کے اس کو حیرت میں پڑ جاتے ہیں
مغل دور کی فنکاری کا عمدہ نمونہ تاج محل

حسن دوبالا ہو جاتا ہے چاندنی راتوں میں اس کا
روشنی میں نہلایا ہوا لگتا ہے دودھیا تاج محل

شاہ جہاں کی بیوی تھی جو ارجمند بانو بیگم
اس کی یاد میں ہی اس نے یہ بنوایا تھا تاج مل

بے حد پیار کیا کرتا ممتاز محل سے شاہ جہاں
ان کی محبت کی ہے نشانی روضہ ان کا تاج محل

اک لمبے عرصے سے پوری دنیا میں مشہور ہے یہ
لاثانی نایاب و نادر اور انوکھا تاج محل

اک برٹش سیاح نے بانٹا دنیا کو دو حصوں میں
جن لوگوں نے دیکھ لیا جنھوں نے نہ دیکھا تاج محل

اس کے حسن اور فن کاری کی ساری دنیا قائل ہے
سات عجوبوں میں دنیا کے ایک عجوبہ تاج محل

■

Md. Wazeer Alam
Madrasa Rahmatul Uloom
Naukatola, Hardiya, Raxaul
East Champaran (Bihar)
Mob.: 9534443838
mdwazeeralam95@gmail.com

شیدا بگھونوی

ماں

(ماں کو بیمار دیکھ کر)

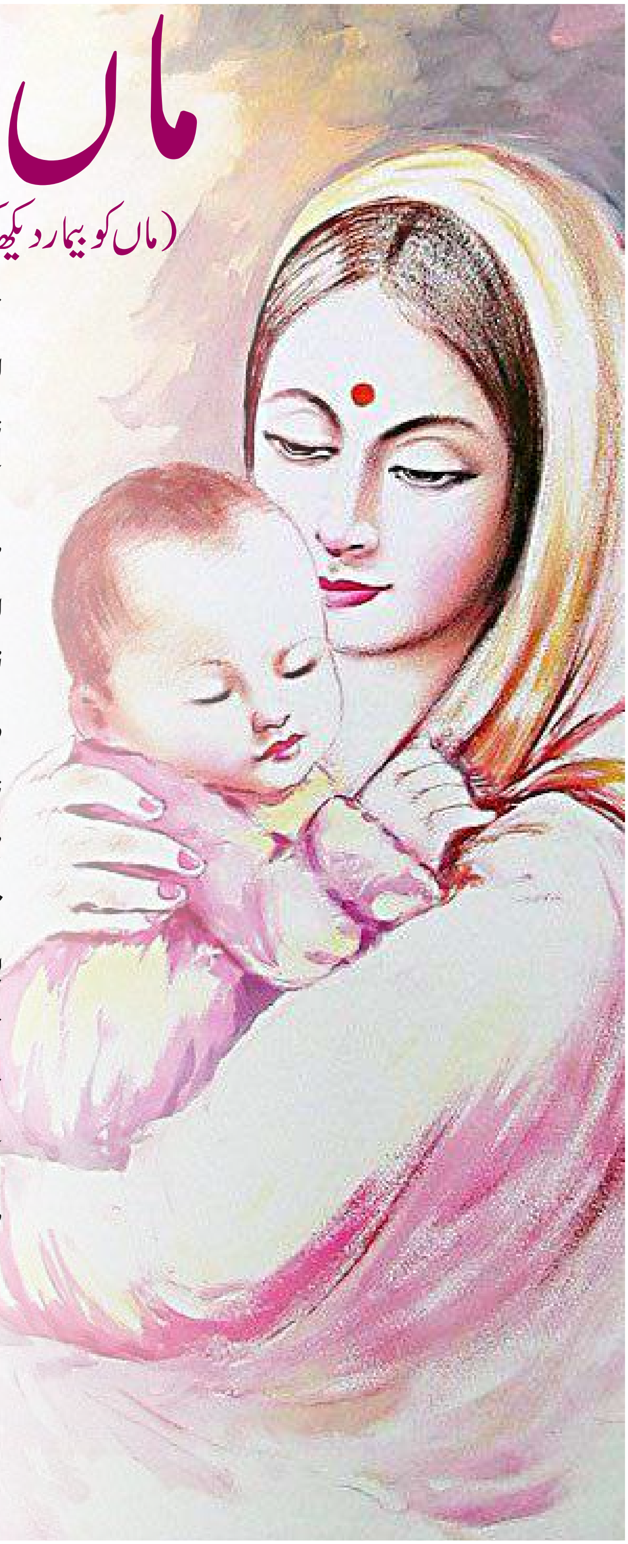

تیری آنکھوں میں محبّت ہے تو دل میں پیار ماں
اور قدموں کے تلے جنت کے ہیں آثار ماں
زندگی میں تو نے جو مجھ کو دیا ہے پیار ماں
کر نہیں سکتا ہوں اس کا دل سے میں اظہار ماں
ہر خطا میری نظر انداز تُو کرتی رہی
اور بدلے میں دعائیں دیں مجھے ہر بار ماں
ٹوٹتا رہتا ہوں اندر سے بتاؤ کس طرح
دیکھتا ہوں جب کہ بستر پر تجھے بیمار ماں
زندگی کی راہ میں ہر لمحہ سچ بولوں گا میں
میں صدائے حق کا ٹھہروں گا علم بردار ماں
تُو نہیں تو کچھ نہیں خوشیاں بھی ہو جائیں گی دفن
بعد تیرے پھول بھی گھر میں لگے گا خار ماں
تیری ہستی ہے مقدّس مرتبہ اعلیٰ تیرا
تیری برکت سے ہمارا گھر بنا گلزار ماں
عمر بھر شیدا سہارے پر تیرے جیتا رہے
مانگ حق سے یہ دعا میرے لیے اک بار ماں

■

Shaida Baghaunvi
P.O.: Shahpur Baghauni
Via.Waini
Samastipur - 848131 (Bihar)
Mob.: 9955208365
shaidabaghaunvi@gmail.com

نظم

چراغ

عبدالمنان صمدی

لڑتا ہوں میں تیز ہوا سے
ساری ساری رات
روشن کرنا اک اک گھر کو
میرا پہلا کام
پڑھنا لکھنا سب بچوں کا
کرتا ہوں آسان
ہر دم جلنا ہر دم جلنا
میرا پہلا کام
راہ بھٹکتے لوگوں کو میں
دیتا ہوں پیغام
سب کے گھر کو روشن رکھنا
جیون کا آدھار
لڑتا ہوں میں تیز ہوا سے
ساری ساری رات
روشن کرنا اک اک گھر کو
میرا پہلا کام

■

Abdul Mannan Samdi
2939, Tayyab Colony, Koil
Aligarh - 202001 (UP)
Mob.: 9286300994
samadi9516@gmail.com

نظم

چڑیا رانی

چڑیا رانی، چڑیا رانی
کتنی پیاری تیری بولی
سب کو پیاری لگتی تو ہے
کتنی شوخ و چنچل تو ہے
تجھ کو دیکھ کے دل کہتا ہے
میں بھی بولوں تیری بولی
چڑیا رانی، چڑیا رانی
کتنی پیاری تیری بولی
چن چن کر وہ دانا لاتی
اور اپنے بچوں کو کھلاتی
چن چن کر وہ تنکا لاتی
اس سے اپنے گھر کو سجاتی
رات کو تھک کر وہ سو جاتی
دن ہوتے ہی پھر اڑ جاتی
چڑیا رانی، چڑیا رانی
کتنی پیاری تیری بولی

■

Darakshan Anjum
Beside Hind Hospital
Mumtaz Ganj, Tanda
Ambedkar Nagar- 224190 (UP)
Mob.: 7017402425
daraksha033@gmail.com

پروین بیگم

بہنیں

ان سے ملو یہ زہرہ ہے
زینب ان کی بہنا ہے
اماں ابا کی ہیں جان
دادا دادی کی ہیں شان
میٹھی باتیں کرتے ہیں
سب کے دل میں رہتے ہیں
ہر دم کرتے ہیں شیطانی
بچے نہ ان سے دادی نانی
من کے یہ تو سچے ہیں
لیکن عقل کے کچے ہیں
جب بھی چاچو پڑھنے بیٹھے
لے کر یہ بھی تختی بیٹھے
الف ب ت پڑھتے ہر بار
گنتے گنتی ایک دو چار
پھوپھی جب بھی کپڑے دھوئے
یہ پانی میں مل کر کھیلے
گر زہرہ کو ڈانٹے بھیا
زینب کو بھی آئے غصہ
دو ہیں لیکن رہتے ایک
یارب انھیں بنا تو نیک

■

Parveen Begum
Urdu Pandit
Govt Girls High School
Narayanpet - 509210(Telangana)
Mob.: 9393759059
parveenbegum561@gmail.com

کہانی

پوسی ماں

شیریں نیازی

چوتھی منزل سے اسکول جانے کے لیے نیچے اترتی ہوئی ماہی جب دوسری منزل کی سیڑھی پر پہنچی تو پلیٹ فارم کے کونے میں رکھے ہوئے منی پلانٹ کے بڑے گملے کے پیچھے نیم اندھیرے کونے میں اسے کوئی ہلتی ہوئی چیز دکھائی دی تو وہ ٹھٹک کر ذرا سا رک گئی۔ پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھی اور گملے کے پیچھے جھانکنے کی کوشش کرنے لگی۔

منی پلانٹ کی بیل کچھ زیادہ ہی گھنی گھنی تھی۔ ایک ہاتھ سے بیل کو ذرا سرکا کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ کچھ اور نہیں بلکہ بلی کی دم ہے جسے تھوڑی تھوڑی دیر پر ہلا رہی ہے۔ دراصل وہ اپنے بچوں کو چاٹ چاٹ کر صاف کر رہی تھی جو شاید کچھ دیر پہلے ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ ماہی کو منی پلانٹ کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے دیکھ کر پوسی بلی نے غراغرا کی آواز نکالی جیسے کہہ رہی ہو ''میرے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں انھیں مت تنگ کرنا، ورنہ میں تمھیں کاٹ لوں گی۔''

''نا، نا پوسو، میں تمھارے بچوں کو تنگ کرنے نہیں آئی بلکہ تمھیں دیکھنے آئی تھی۔ تمھیں بھوک بھی لگی ہوگی، نا؟'' جواب میں پوسی نے ہلکے سے اُو..ں.. کی آواز نکالی اور پھر بچوں کو چاٹنے لگی۔ ماہی پلٹ کر نیچے جانے کی بجائے اوپر اپنے گھر کی طرف چلنے لگی۔

''ارے... تو واپس کیوں آگئی؟ ہوا کیا؟ اسکول کا وقت ہوگیا ہے۔ اسکول نہیں جانا ہے کیا—؟''

''ممی... ممی۔ دوسری منزل پر 'منی پلانٹ' کے پاس جو گملا ہے نا۔ وہاں پوسی نے بچے دیے ہیں۔ بھوکی بیٹھی ہے بے چاری اسے کچھ کھانے کو دے دیجیے نا۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے— دے دوں گی۔ اب تو اسکول جا، بھاگ کر جاؤ ورنہ بس چھوٹ جائے گی—''

واپسی پر ماہی اپنے جیب خرچ کے پیسے سے پوسی کے لیے 'چکن ویسٹ' لیتی آئی تھی۔ خود کچھ نہیں کھایا تھا۔ ماں نے کہا ''خود بھوکی رہ کر بلی کے لیے آج کھانا لے آئی لیکن یہ تو روز کا معاملہ ہے۔ کب تک بھوکی رہے گی تو...؟''

''آپ مجھے رات والی روٹی دے دیا کرنا۔ میں

وہی کھالوں گی۔ پر پوسی کیا کھائے گی؟ جب تک اس کے بچے بڑے نہیں ہو جاتے میں اپنے جیب خرچ سے اس کے لیے کھانے کا کچھ لا دیا کروں گی۔“

بیٹی کے دل میں پوسی کے لیے پیار کا یہ جذبہ دیکھ کر ماں کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ ”نہیں میری بچی تم بھوکی مت رہنا۔ کل سے میں تمھیں کچھ پیسے بڑھا کر دے دیا کروں گی۔“

دوسری صبح اسکول جاتے ہوئے ماں نے ماہی کی ہتھیلی پر پانچ روپے کے دو سکے رکھے اور پھر یہ روز کا معمول ہو گیا۔ اسکول جانے سے پہلے ماہی پہلے پوسی کا کھانا لا کر اسے کھلا دیا کرتی تھی۔ اس طرح اسے دو بار سیڑھیوں پر اترنا چڑھنا پڑتا تھا۔ نازک پیروں میں درد ہونے لگا تھا۔ دو ہفتے گزر گئے تھے۔ اب بچوں کی آنکھیں کھل گئی تھیں وہ اِدھر اُدھر گھومنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

ایک شام جب ماہی اسکول سے لوٹی تو سیڑھیوں کے آخری سرے پر ایک بچہ مرا پڑا تھا۔ شاید سیڑھیوں سے لڑھک کر نیچے آ گیا ہوگا اور جلد بازی میں کسی کے اترتے ہوئے قدموں تلے دب کر مر گیا تھا۔ اس رات ماہی بہت روئی... صبح اٹھ کر اس نے کچھ کاٹن جمع کیے اور چاروں طرف سے گھیر کر ان بچے ہوئے دو بچوں کے لیے گھر بنا دیا، تا کہ وہ لڑھکنے سے بچ جائیں۔ وہ اکثر اپنی ماں سے سوال کیا کرتی کہ ”اس بلڈنگ کے لوگ آخر بلیوں سے چڑھتے کیوں ہیں؟ جب کہ وہ ان کے گھروں کے چوہے بھگا کر ان کے سامان کو بچاتی ہے اور اب تو یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ بلیوں کے پاس بیٹھنے سے ڈپریشن دور ہو جاتا ہے اور اس کے لمس سے کئی بیماریوں میں بھی فائدہ پہنچتا ہے۔“

”ارے بابا یہ سب تو مجھ سے کیوں پوچھتی ہے؟ میں تو تیری پوسی سے نہیں چڑھتی ہوں نا۔“ اسی طرح بلی اور کتے کی کیا دشمنی ہے آج تک کسی کو پتا نہیں۔ دوسرے جانور تو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کسی کو مارتے ہیں جب کہ کتوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ اسے کھاتے نہیں بس مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اب تو ہی پڑھ لکھ کر ان کے اوپر ریسرچ کرنا۔ چل اب کھانا کھا لے اور آرام کر...“

ماہی ماں کی بات سن کر چپ تو ہو گئی تھی لیکن اس کے ذہن و دماغ میں اتھل پتھل مچی ہوئی تھی۔ کئی سوال اس کے ننھے سے دل میں مچل رہے تھے۔

اسی طرح تین دن اور گزر گئے۔ چوتھا دن اتوار کا تھا، اسکول میں چھٹی ہونے کے باوجود وہ پوسی کا کھانا لانے بازار کی طرف گئی تھی اور جب واپس آئی تو وہاں نہ پوسی تھی نہ اس کا گھر۔ اس کا دماغ سن ن۔ رہ گیا۔ دوڑی دوڑی ماں کے پاس گئی تو معلوم ہوا کہ بلڈنگ کے تمام لوگوں نے مل کر اس بے چاری کو سیڑھیوں کے نیچے والی جگہ جہاں پوری بلڈنگ کا کباڑ بھرا ہوا ہے وہیں پھینک دیا ہے۔ اکیلی میں کیا کرتی۔ ہمارے کمرے میں جگہ ہوتی تو اسے یہیں لے آتی۔ اس چھوٹی سی کوٹھری میں جہاں ہمارا ہی سونا بیٹھنا مشکل سے ہوتا ہے۔ ہانڈی برتن تک رکھنے کی جگہ نہیں، سوتے میں برتن ٹکراتے ہیں۔ انھیں لا کر کہاں رکھتی؟ اور پھر بلڈنگ والوں سے جھگڑے ہوتے سو الگ۔ اگر پوسی نے کسی کے دروازے یا سیڑھی کے

سامنے سوسو یا پوٹی کردی... تو ہی بتا میں کیا کرسکتی تھی؟''

ماہی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پوسی کا کھانا لیے ہی وہ الٹے پیروں نیچے کی طرف اتر گئی۔

ہزاروں کباڑ کے بیچ ایک ٹوٹی اسکوٹی کے نیچے بالشت بھر سوکھی جگہ ملی تھی اسے۔ کسی طرح ٹیڑھی میڑھی ہوکر خود بھی لیٹ گئی اور بچوں کو دودھ پلانے لگی۔

ماہی کو دیکھ کر بچے اس کی طرف دوڑ آئے۔ پوسی نے نظر اٹھا کر ماہی کے آنسو میں بھیگے معصوم چہرے کی طرف دیکھا۔ ہلکی سی اداس سی 'میاؤں' کی آواز نکالی اور اس کے ہاتھ چاٹنے لگی۔

پوسی کے بچے اب بڑے ہو رہے تھے۔ وہ پوسی کے حصے کا بھی کھانا کھا جاتے تھے۔ ساتھ میں ماں کا دودھ بھی پیتے رہتے۔ بھوکی رہ جاتی پوسی رانی۔ وہ دن بہ دن دبلی اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ماہی اپنے جیب خرچ کے سارے پیسے ان پر ختم کردیتی پھر بھی اس کا پیٹ خالی ہی رہتا۔ بچے ٹھیک ٹھاک گول مٹول سے ہو رہے تھے۔

کولکاتا، دلی، ممبئی جیسے شہروں میں اچانک بارش ہونے لگتی ہے۔ سو ایک دن ایسا ہی ہوا۔ گرچہ ماہی نے اپنے گھر کے سارے پھٹے پرانے کپڑے لاکر وہاں جمع کردیے تھے۔ تاکہ پوسی اور اس کے بچے بھیگنے سے بچ رہیں۔ لیکن مسلسل بارش ہو تو کپڑوں کی کیا اوقات؟

چھت پر سے گرتا ہوا پانی سیڑھیوں کی ریلنگ کے اوپر سے بہہ بہہ کر چھوٹی دھار کی صورت وہیں گرتا تھا جہاں پوسی نے پناہ لی تھی۔

ہر جگہ جل تھل ہوگئی تھی۔ گراؤنڈ فلور کے تمام کمروں تک میں پانی بھرتا جا رہا تھا۔

پوسی اپنے بچوں کو پانی میں بھیگنے سے بچانے کی کوشش میں لگی ہوتی۔

وہ بار بار بچوں کو اپنے منھ میں اٹھا اٹھا کر پیچھے کی طرف سرکاتی جا رہی تھی اور بچے بار بار اس کے پاس کھسک آتے تھے۔ دودھ پینے کے لیے۔ صبح سے پوسی خود بھوکی تھی اس کا پیٹ بالکل خالی ہوکر پسلی کی ہڈیوں سے لگ گیا تھا۔ بارش کی وجہ سے آج ماہی ان لوگوں کا کھانا بھی نہیں لا پائی تھی۔ گھر میں تھوڑے سے بسکٹ پڑے تھے۔ ماہی نے سوچا وہی لے جا کر انھیں کھلا دے یا بارش رکنے تک دونوں بچوں کو اٹھا کر اوپر لے آئے تاکہ پوسی کچھ دیر کو ریلیکس ہوسکے ورنہ بھوکے پیٹ اس کے تھنوں میں بھی دودھ کہاں سے آئے گا؟ سوچ کر ماہی نے نچلی سیڑھی کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ ممی زور سے چلا اٹھی...

''نیچے مت جاؤ... بیٹا... خطرہ ہے۔ ارے کچھ سنا تو نے؟... ماں کی آواز سن کر ماہی کے بڑھتے قدم رک گئے اسی وقت کہیں نزدیک ہی... بجلی زور سے کڑکی اور سامنے والے الیکٹرک پول پر گر پڑی۔

ماہی نے دیکھا۔ پوسی نے اپنے وجود کے ایک ایک حصے کو پھیلا کر دونوں بچوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اس کی پیٹھ کے اوپر سے دھاروں دھار گرتا ہوا پانی بہتا چلا جا رہا ہے اور وہ ایک بے جان پتھر کی طرح پڑی پانی کی چوٹ سہتی جا رہی ہے!

■

Sheerin Niyazi
Teachers Colony
River Side, Bhurkunda
Ramgarh - 829135 (Jharkhand)

کہانی

منا ہیلی کاپٹر

ضیاء الحسن

بچو! ہم نے تیسری کلاس میں ایک نظم پڑھی تھی جس کا عنوان تھا 'ہوائی جہاز'۔ ایک ننّھی لڑکی بلندیوں پر اُڑتے ہوئے ہوائی جہاز کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ اپنے بھائی سے پوچھتی ہے کہ 'یہ کیا چیز ہے جو چیل کی طرح ہوا میں اڑ رہی ہے؟' کم عمر بھائی اسے بتاتا ہے کہ 'یہ لوہے کی چیل ہے۔ اس کے پیٹ میں کئی آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اڑا کر انہیں کہیں لے جا رہی ہے۔' نظم اس شعر پر ختم ہوتی ہے۔

بڑا ہو کے سمجھوں گا میں اس کا راز
چلاؤں گا میں بھی ہوائی جہاز

بچو! ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر چلانا کوئی بہت بڑا کمال نہیں۔ پائلٹ کی ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد آپ بھی اسے اڑا سکتے ہیں۔ ہوائی جہاز میں کئی سو مسافر بیٹھ سکتے ہیں جبکہ ہیلی کاپٹر میں زیادہ لوگ نہیں بیٹھ سکتے۔ ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر بڑے بڑے کارخانوں میں بنائے جاتے ہیں۔ انھیں تیار کرنے میں کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ اس پر کروڑوں کی لاگت آتی ہے۔ اس طرح کی بڑی بڑی کارآمد چیزیں بنانا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔

کچھ لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو تمام تر پریشانیوں کے باوجود کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس کے لیے اپنا تن من دھن سب لگا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دھن کے پکے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب بھی ہوتے اور کبھی ناکام بھی۔

شیخ اسماعیل عرف مُنّا اپنی دُھن کا پکّا ایک ایسا ہی نوجوان تھا۔ جس نے بڑی محنت سے ایک ہیلی کاپٹر بنانے کی کوشش کی تھی۔ اپنے مقصد میں وہ بڑی حد تک

کامیاب رہا۔ وہ مہاراشٹر کے ایوت محل ضلع کے پھول ساونگی گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ ان لوگوں کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اس لیے اس کے والد چھوٹے موٹے کام کر کے اپنا گھر چلایا کرتے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد مُنّا کو ایک اردو اسکول میں داخلہ دلوایا گیا۔ وہ ایک ذہین سمجھدار اور خوددار لڑکا تھا۔ پڑھنے لکھنے کے علاوہ اسے اپنے وطن ہندوستان اور اپنی مادری زبان اردو سے اسے بہت محبّت تھی۔ وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن خراب مالی حالت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کمانے کی فکر اسے ہمیشہ لگی رہتی تھی۔ چنانچہ گرما کی چھٹیوں میں وہ اپنے گاؤں میں گھوم گھوم کر شربت بیچا کرتا تھا یا پھر جو بھی چھوٹا موٹا کام ملتا اسے دل لگا کر ایمانداری کے ساتھ کرتا۔ جو آمدنی ہوتی اس سے اپنے لیے کپڑے سلواتا اور ضرورت کی دوسری چیزیں خریدتا۔ کچھ رقم ماں باپ کو بھی دیا کرتا تھا۔ اپنے ابّا کے کاموں میں وہ ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ لیکن کافی جدوجہد کے بعد بھی ان کی مالی حالت بہتر نہیں ہو سکی۔ خوددار مُنّا اپنے والدین پر بوجھ بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے ساتویں کلاس کے بعد اس نے مجبوراً پڑھائی چھوڑ دی۔

نئی نئی چیزیں بنانے کا شوق مُنّا کو جنون کی حد تک تھا۔ حالانکہ اس نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن ایک قابل انجینئر کی ذہانت اس میں چھپی ہوئی تھی۔ چھوٹے موٹے پرزے جوڑ کر اس نے کئی کھلونے تیار کیے تھے۔ ایک چکّی بھی بنائی تھی۔ گاؤں کے لوگ آ آ کر اس کی بنائی ہوئی چیزیں بڑی دلچسپی سے دیکھتے، جس سے مُنّا کو خوشی ہوتی۔ اس کی بنائی ہوئی ایک تجوری اور بورنگ مشین کئی دنوں تک سب کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ مُنّا کی ایک پھوپھی حیدرآباد میں رہتی تھیں۔ قلعہ گولکنڈہ اور چار مینار جیسی تاریخی عمارتوں کے علاوہ وہاں کئی بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں ہیں۔ مختلف کاموں کے مواقع بھی بہت ہیں۔ اس لیے مُنّا کے والد نے اسے حیدرآباد بھجوا دیا تاکہ وہاں رہ کر وہ کچھ کما سکے۔ چنانچہ حیدرآباد آنے کے بعد وہ کام کی تلاش میں لگ گیا۔ اس دوران کچھ دنوں تک اس نے آٹو رکشہ چلایا۔ آخر مُنّا کو ایک کارخانے میں کام مل گیا۔ وہاں لوہے کی الماریاں اور کولر وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں مُنّا نے یہ کام سیکھ لیا بلکہ اس میں مہارت حاصل کر لی۔ دو سال حیدرآباد میں رہنے کے بعد وہ اپنے وطن پھول ساونگی لوٹ آیا۔ والد نے اس کے لیے ایک جگہ کرایہ پر لی، جہاں وہ لوہے کی الماریاں اور کولر بنانے لگا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی ذہانت اور کوششوں سے کئی مشینیں بنائیں جسے دیکھنے کے لیے آس پاس کے گاؤں کے لوگ اکثر آیا کرتے تھے۔

ایک دن مُنّا کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ مختلف کل پرزوں کو جوڑ کر بہت کم لاگت میں ہیلی کاپٹر تیار کیا جا سکتا ہے۔ دن رات وہ اسی سوچ میں گم رہنے لگا۔ اپنے گھر کی ایک دیوار پر اس نے ہیلی کاپٹر کا خاکہ کھینچ رکھا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مُنّا نے سچ مچ ہیلی کاپٹر بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ مختلف کل پرزوں کی تلاش میں اس نے دور دراز کے شہروں کا سفر کیا۔ وہاں کے کباڑ خانوں سے کئی پرزے خریدے، کچھ خود بنائے۔ وہ دن بھر لوہے کی الماریاں بناتا اور اس آمدنی سے گھر کے خرچ کے لیے رقم اپنے والدین کو دیا کرتا۔ روزمرّہ کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد رات دیر گئے تک وہ ہیلی کاپٹر بنانے میں

مصروف رہتا۔ اپنے ہیلی کاپٹر میں اس نے ماروتی 800 کار کا انجن فٹ کیا تھا۔ اس کی انتھک محنت اور لگن کو دیکھ کر دوست احباب اور گاؤں والے اسے بہت پسند کرتے تھے۔ وہ اس کے کام کی تعریف کرتے، جس سے مُنّا کا حوصلہ اور بڑھ جاتا۔ تقریباً تین سال تک وہ اپنی اس مہم میں لگا رہا۔ اس کا ایک ہی خواب تھا کہ کم لاگت میں اپنے ملک کے لیے ہیلی کاپٹر بنائے، جس سے اس کے گاؤں اور ملک کا نام روشن ہو اور اس کی مالی حالت بہتر ہو جائے۔ اپنے اس خواب کو پورا کرنے کے لیے اس نے اپنی محدود آمدنی میں سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کر ڈالے تھے۔ اس کام کے لیے مُنّا کے کچھ قریبی لوگوں نے بھی اس کی مدد کی تھی۔ اس شوق کی خاطر اخیر دنوں میں تو اسے اپنے گھر کے ٹین بیچ دینے پڑے، لیکن ہیلی کاپٹر بنانے کا ارادہ اس نے ترک نہیں کیا۔ اپنے اس کام کے دوران نہ تو اسے کھانے پینے کی فکر رہتی تھی اور نہ وہ کسی دوسرے کام میں دلچسپی لیتا۔ بس وہ تھا اور اس کا کام۔ مُنّا نے اپنے ہیلی کاپٹر میں شیشے کی بجائے فائبر کے گلاس لگائے تھے۔ اس کے سائلنسر اور ایئر کنڈیشن بھی بہترین تھے۔ آخر تین سال کی سخت محنت کے بعد اس کا ہیلی کاپٹر بن کر تیّار ہو گیا جسے اس نے Munna Helicopter کا نام اور S.67.A-18 کا نمبر دیا۔

ہمارے ترنگے پرچم اور Make in India کے ہالوگرام اس پر چسپاں کیے۔ اس کی خواہش تھی کہ ہندوستان کے یوم آزادی یعنی 15 اگست کے دن سب لوگوں کی موجودگی میں اپنا ہیلی کاپٹر اڑا کر دکھائے۔ مُنّا کے اس مظاہرے کو دیکھنے کے لیے بنگلور سے کچھ لوگ آنے والے تھے۔ اس نے اپنے والد، ماموں اور دوست احباب وغیرہ سے کہہ رکھا تھا کہ اس یادگار موقع پر وہ ضرور موجود رہیں۔ ایک ٹرائل کے دوران ہیلی کاپٹر کو زمین سے کچھ فٹ بلند کرنے میں مُنّا کامیاب رہا۔ وہ ذہین تھا، لیکن چونکہ بد قسمتی سے اسے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے تکنیکی باریکیوں اور پیچیدگیوں سے وہ واقف نہیں تھا۔ اپنا کام جلد سے جلد کر کے وہ سب کو حیرت میں ڈال دینا چاہتا تھا۔ اس کے دوست احباب اور گاؤں والے بھی اس کی ایجاد دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے مُنّا کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ آنے والے یوم آزادی پر اس

کا دیرینہ خواب یقیناً پورا ہو جائے گا اور اس ایجاد کو دیکھ کر ساری دنیا حیرت زدہ رہ جائے گی۔ اپنی ایجاد سے اسے کئی امیدیں وابستہ تھیں۔

یوم آزادی کے لیے کچھ دن باقی رہ گئے تھے۔ مُنّا نے سوچا کہ اپنے ہیلی کاپٹر کو احتیاطاً پھر ایک مرتبہ ٹیسٹ کر کے دیکھ لے۔ چنانچہ 11 اگست کو وہ اپنے کارخانے پر پہنچا اور ہیلی کاپٹر کے تمام کل پرزوں کو چیک کیا۔ پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ ہیلی کاپٹر کی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا اور اسٹارٹ کا بٹن دبایا۔ زنّاٹے دار آواز کے ساتھ ہیلی کاپٹر کے پنکھ نہایت تیزی سے گھومنے لگے۔ پھر یکا یک ایک پنکھ ٹوٹ کر مُنّا کے سر میں جا لگا۔ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ اس کے سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اسے اسپتال لے جایا گیا لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود اسے بچایا نہیں جا سکا۔ اس حادثے کی اطلاع ملتے ہی لوگ دوڑے دوڑے حادثے کے مقام پر پہنچے۔ سارے علاقے میں کہرام مچ گیا تھا۔ ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر مُنّا اور اس کے ہیلی کاپٹر کا نام تھا۔ اس واقعے کی رپورٹنگ کے لیے اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے نمائندوں کا وہاں تانتا بندھ گیا۔ دنیا کے مشہور خبر رساں ادارہ بی بی سی (مراٹھی نیوز) کے نامہ نگار بھی وہاں پہنچ گئے۔ میڈیا کے سبھی لوگ مُنّا اور اس کے ہیلی کاپٹر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آئی آئی ٹی ممبئی میں شعبۂ میکانکل انجینئرنگ کے پروفیسر کرونا کرن نے انجینئرنگ میں پی ایچ۔ ڈی کر رہے تین ریسرچ اسکالرز کو مُنّا ہیلی کاپٹر کی تکنیک کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے پھول ساونگی گاؤں بھیجا۔ چنانچہ مُنّا کی اس ایجاد کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد تینوں ریسرچ اسکالر اس نتیجے پر پہنچے کہ مُنّا کی یہ بے مثل کوشش نہ صرف حیرت زدہ کر دینے والی ہے بلکہ سائنسی دریافت میں دلچسپی رکھنے والوں کو اس سے یقیناً تحریک ملے گی۔

بچّو! مُنّا کو اگر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہوتا اور اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کی ہوتیں تو وہ اس طرح کے حادثے کا شکار نہیں بنتا بلکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوتا۔

■

Dr. Ziaul Hasan
Hzt. Peer Burhan Chowk
Lane 15, Nanded - 431605(M.S)
Mob.: 9764127458
Email:paratnama@gmail.com

جواب

1. گنگا
2. 1969
3. Kangaroo Rat
4. 6 ماہ سوتا ہے اور 6 ماہ جاگتا ہے
5. Bull Frog
6. 1.6 کلومیٹر
7. گرینڈ سینٹرل ٹرنل، نیویارک
8. 1942
9. Adam Osborne
10. 3600 سیکنڈ
11. Evan spiegel
12. Congo river
13. 70%
14. Eric yuan
15. پیرس، فرانس
16. 100 سینٹی میٹر
17. کوئل
18. ممبئی
19. ہاوڑہ برج
20. ریزرو بینک آف انڈیا

کہانی

قدرت کا قہر

محمد امان ایے

’بھورا‘ وادی میں بسی اُس نئی آبادی کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کسی زمانے میں گھنے جنگل ہوا کرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے مکانات، اسکول، عبادت گاہیں اور کئی تجارتی عمارتوں پر مشتمل یہ آبادی دور سے بڑی دل فریب نظر آتی تھی۔ چاروں طرف گھنے جنگلات اور آبادی کے درمیان سے گزرتی چھوٹی سی نہر اس حسین منظر کو اور بھی دلکش بنا دیتی تھی۔ لیکن پچھلے کچھ ہفتوں سے ہو رہی موسلا دھار بارش ’بھورا‘ کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی اور خوف پیدا کر رہی تھی۔

ایک وقت تھا جب ان جنگلوں میں صرف بھورا، اس کا خاندان اور اس کے قبیلے کے کچھ ہی لوگ رہا کرتے تھے۔ وادی میں کوئی دوسری آبادی نہیں تھی۔ جنگلی جانور آزادی سے جنگل میں گھوما کرتے تھے۔ سال گزرتے گئے۔ دھیرے دھیرے اس کے قبیلے کے لوگ جنگل چھوڑ کر سرکاری کالونیوں میں بسنے لگے۔ ’بھورا‘ کو جنگل سے پیار تھا، وہ کالونی نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن جب اس کے بچے بڑے ہوئے تو انھوں نے بھی کالونی کا رُخ کر لیا۔ صرف ’بھورا‘ کی بیوی نے آخری دم تک اس کا ساتھ دیا۔ اب عمر رسیدہ ’بھورا‘ اس جنگل میں اکیلا رہتا تھا۔

اسے وہ دن بھی یاد ہے جب پہلی بار وادی میں بڑی بڑی گاڑیاں آئی تھیں۔ وہاں کسی بڑے ریسورٹ کا تعمیری کام چل رہا تھا۔ ’بھورا‘ اُن مزدوروں کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا، ’’بھائی! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ درختوں کو اس طرح کاٹو گے اور یہاں ایسی کھدائی کرو گے تو زمین کو نقصان ہوگا، آسمانی بلائیں آئیں گی۔‘‘ مزدوروں نے اس کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا، ’’چل ہٹ یہاں سے۔ بڑا آیا ہمیں پاٹھ پڑھانے والا۔ ہمارے صاحب پڑھے لکھے ہیں۔ انھیں پتا ہے کہ کہاں کیسی عمارت بنانی ہے۔ تم جیسے ان پڑھ جاہل کو اس کی کیا سمجھ؟‘‘۔ ’بھورا‘ خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ بھلے ہی عمارت مضبوط بن جائے لیکن اس کے اطراف کی زمین اس کی وجہ سے ضرور متاثر ہوگی۔ وہ کچھ نہیں کر سکا۔

سالوں بیت گئے۔ پہاڑ کی وادی چونکہ بڑی دل فریب تھی اس لیے کئی لوگ یہاں آنے لگے۔ بہت سے

لوگوں نے اپنی زندگی کی جمع پونجی سے یہاں چھوٹے چھوٹے آشیانے سجا دیے۔ آہستہ آہستہ یہاں مندر، مسجد اور گرجا گھر بھی بن گئے۔ یہاں کے لوگ بڑے ہی ملنسار اور معصوم تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ بڑے پیار و محبت سے رہتے تھے۔ سرکار نے جب یہاں کی بڑھتی آبادی دیکھی تو یہاں کے بچوں کے لیے اسکول بھی تعمیر کروا دیے۔ نہر کے کنارے بنی اسکول کی عمارت اس نئی آبادی کی شناخت بن گئی۔ دور دور سے سیاح یہاں کی سرسبز و شاداب فضا سے لطف اندوز ہونے آنے لگے۔

’بھورا‘ کو بھی اب لگنے لگا تھا کہ شاید وہ غلط تھا۔

لیکن آج جب جنگل میں بنے اپنے گھر سے وہ وادی کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کا دل کسی نامعلوم خوف میں مبتلا تھا۔ چھوٹی سی نہر میں پانی کا بہاؤ بہت تیز ہو چکا تھا۔ اس کا صاف شفاف پانی گدلا ہو چکا۔

’بھورا‘ کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ موسلا دھار بارش کی وجہ سے اس کا گھر بھی متاثر ہوا تھا۔ اچانک آدھی رات کو ایک ہولناک آواز نے اسے چونکا دیا۔ رات کی تاریکی میں اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ وادی میں بسی آبادی کی طرف دوڑنے لگا۔ وہاں سے لوگوں کی چیخ و پکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد پھر اسی طرح کی ہولناک آواز آئی۔ ’بھورا‘ مارے خوف سے وہیں رک گیا۔ بستی کی طرف سے اب کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی۔ ’بھورا‘ نے اپنی ہمت جٹائی اور پھر سے بستی کی طرف دوڑنے لگا۔

راستے میں اسے کچھ لوگ ملے جو پہاڑ کی طرف آرہے تھے۔ ’بھورا‘ نے ان سے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟ آپ لوگ ادھر کیوں آرہے ہیں؟ وہ آواز کیسی تھی؟“۔ ان میں سے ایک عورت نے روتے ہوئے کہا، ”ہمیں بچا لو۔ سب کچھ برباد ہو گیا۔ سارے گھر بہہ گئے۔ ہمیں بچا لو“۔ ’بھورا‘ کو ان سے مزید کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس نے انھیں ایک درخت کے پاس بٹھا دیا۔ وہ اب بستی کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن ان لوگوں نے اسے روک لیا۔ اس عورت نے کہا، ”دادا! آپ وہاں نہ جائیں۔ وہاں خطرہ ہے اور اگر آپ چلے گئے تو ہم یہاں اکیلے رہ جائیں گے“۔ ’بھورا‘ نے ان کی بات مان لی اور وہیں ٹھہر گیا۔ خدا خدا کر کے انھوں نے وہیں رات گزار دی۔

صبح کی پہلی کرن نے اس آسمانی بلا کا منظر پیش کیا۔ وہ بستی جو کبھی اپنے خوبصورت قدرتی مناظر کی وجہ سے مشہور تھی اب صرف ٹوٹی ہوئی عمارتوں، مٹی کے تودوں، پتھروں، اور کیچڑ کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ ’بھورا‘ نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کا کلیجہ منھ کو آگیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ قدرت کا قہر اتنا بھیانک ہو سکتا ہے۔ اسے برسوں پہلے اپنی کہی بات یاد آئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ غلط نہیں تھا۔ اس نے اس ریسورٹ کی طرف نظر ڈالی جو صحیح و سالم اپنی جگہ قائم تھی لیکن اس کے اردگرد کی ساری آبادی بالکل ختم ہو چکی تھی۔

■

Dr. Muhammed Aman AK
Assistant Professor, Dept of Urdu
University of Calicut
PO: Malappuram-673635 (Kerala)
Mob.: 8897246842
mohammedaman.ak@gmail.com

کہانی

نئی کلاس نیا ہنر

اسمٰعیل سلیمان

آج گرمی کی تعطیلات کے بعد اسکول کا پہلا دن تھا۔ پت جھڑ کی وجہ سے اسکول کے احاطے میں ہر طرف سوکھے پتے بکھرے پڑے تھے۔اسکول میں نئے داخل ہونے والے طلبہ کا پھول دے کر استقبال کیا گیا۔جشن داخلہ منانے کے بعد نئے طلبہ کو پرانے طلبہ نے اسکول کی سیر کرائی۔ جس میں تمام جماعتوں کے کمرے، سائنس لیب، اسکول لائبریری اور کمپیوٹر لیب شامل تھیں۔ اس کے بعد باقاعدہ کلاس کا آغاز ہوا۔ اسکول میں جماعت نہم کے طلبہ بڑی بے صبری سے اپنے نئے کلاس ٹیچر کا انتظار کر رہے تھے۔

اسکول میں یہ نظم تھا کہ ہر سال نئی کلاس کو نئے کلاس ٹیچر دیے جاتے۔ یعنی تعلیمی سال کے پہلے دن طلبہ نئے یونیفارم نئی جماعت، نئے جوتے، نئی کتب، اور نئے کلاس ٹیچر کے ساتھ پڑھائی شروع کرتے۔ یعنی سب کچھ نیا نیا۔ جیسے ہی مزمل سر کلاس روم میں داخل ہوئے طلبہ نے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔ اسکول میں مزمل طلبا کے پسندیدہ استاد تھے۔موصوف کے عمدہ اخلاق، پاٹ دار آواز، محنت وشفقت سے پر تدریس، ہنس مکھ چہرہ وطلبہ میں گھل مل جانے والی فطرت کی وجہ سے وہ کافی مقبول تھے۔ مزمل سر نے اپنا تعارف دیا۔ پھر باری باری سبھی طلبہ سے اپنا اپنا تعارف پیش کرنے کو کہا۔ پھر حاضری لی اور سبھی طلبہ کو گرمی کی چھٹیوں میں دیا گیا گھر کام چیک کیا۔ گھر کام کر کے لانے والے طلبہ کی خوب حوصلہ افزائی کی جن کے کام میں کچھ کمی اور کوتاہی رہ گئی تھی انہیں مناسب رہنمائی ونصیحت کی پھر طلبہ سے باتیں

کرنے لگے۔

پیارے بچو!

''بتاؤ تم نے گرمی کی تعطیلات کس طرح گزاری؟''

جمیل بولا'' سر سمیر کی اونچائی گرمی کی چھٹیوں کے بعد کچھ زیادہ محسوس ہو رہی ہیں۔'' مزمل سر بولے'' بتاؤ سمیر کیا یہ بات سچ ہے؟'' سمیر بولا'' سر! سبھی لوگ تو یہی بول رہے ہیں کہ میری اونچائی کچھ زیادہ لگ رہی ہے۔ راز کی بات یہ ہے کہ امسال گرمی کی چھٹیوں میں ہم کچھ دوستوں نے فٹبال کی کلاس لی تھی۔ ہم روزانہ صبح اور شام اپنے ٹیچر کی نگرانی میں مشق کرتے رہے اور اس طرح مجھے فٹبال میں مہارت حاصل ہوئی اور دلچسپی بھی پیدا ہوگئی ہے۔ میں اس مشق کو جاری رکھوں گا۔ اسکولی سالانہ کھیلوں کے مقابلے میں ان شاء اللہ اپنے اسکول کی فٹبال ٹیم کا حصہ بنوں گا۔''

مزمل سر سمیر کے اس جذبے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بولے'' شاباش! تم نے گرمی کی چھٹیوں کا بہترین استعمال کیا ہے۔ ایک نئی چیز سیکھی۔''

تبھی فرزانہ بولی'' سر! ہمارے شہر سے شائع ہونے والے روزنامہ کے 'رنگ بھرو اور انعام پاؤ' مقابلے میں مجھے تیسرا انعام ملا۔ ہمارے محلے میں کچھ طلبہ روزانہ گروپ میں بیٹھ کر اس مقابلے کی مشق کرتے تھے۔ بزرگوں کی نگرانی میں ہم روزانہ ڈرائنگ میں رنگ بھرتے۔ محلے کے ذمے داروں کی نگرانی میں مشق کرنے سے میرے سبھی ساتھیوں کو ڈرائنگ سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس سال حکومت کی طرف سے ہونے والے ڈرائنگ کے امتحان میں شرکت کروں گی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کروں گی۔ ان شاء اللہ۔ اس کی تیاری میں نے ابھی سے شروع بھی کر دی ہے۔'' شاباش! تمھارا کارنامہ بھی بہت اچھا ہے۔''

جاوید تم نے اپنی چھٹیوں میں کیا کیا؟ مزمل سر جاوید سے مخاطب ہوئے۔ جاوید بولا'' سر! اس سال ہمارے شہر میں بہت زیادہ گرمی تھی اس لیے ہماری گلی کے کچھ بچوں نے گروپ بنا کر کچھ رقم اکٹھا کی اور بازار سے لیموں اور شربت کے مختلف رنگ اور ذائقے دار مصالحے خریدے اور ان سے مختلف ذائقے والے شربت بنا کر اپنے اپنے گھروں کے فریج میں ٹھنڈا کیا۔ دوسرے دن بازار سے برف کی لادی لا کر ان ٹھنڈی بوتلوں کو ایک پلاسٹک کے باکس میں رکھ کر نکڑ پر فروخت کرتے رہے۔ اس طرح ہمارے سبھی ساتھیوں نے خوب محنت کی اور چھ ہزار روپے کا منافع حاصل کیا۔ کچھ ضرورت مند افراد کو ہم نے مفت شربت بھی دی۔'' مزمل سر بولے'' واہ! واہ! شاباش بہت خوب، بہت خوب پیارے بچو! آپ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ پیسے کمانے کے لیے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ آپ لوگوں کو اپنے اپنے والدین کی محنت کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ کس طرح اپ کی پرورش کے لیے دن رات محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اب آپ بھی ان کے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے پڑھائی پر خوب محنت کرو۔ پھر آپ منافع کی اِس رقم کو کس طرح خرچ کرو گے۔'' جاوید بولا'' سر! ہم نے وہ منافع ہمارے پڑوسی صابر دادا جان کے حوالے کر دیا ہے۔ اب دادا جان اپنے سینئر سٹیزن گروپ کی مدد سے ہمارے لیے محلے میں ایک نکڑ لائبریری کھولنے والے

والے ہیں۔ باری باری دادا جان کے گروپ کا ایک رکن روزانہ ہماری رہنمائی کے لیے لائبریری تشریف لائیں گے۔ ان کی نگرانی میں ہم روزانہ لائبریری سے کتابوں کا لین دین کریں گے اور دادا جان کے گروپ کے ساتھی سے ان کے تجربات سنیں گے ان سے نصیحتیں حاصل کریں گے اور ان کی نصیحتوں پر عمل بھی کریں گے۔" مزمل کا چہرہ یہ بات سن کر کھل اٹھا۔ انھوں نے جاوید کے کام کی جماعت میں خوب تعریفیں کیں۔ اب تم بتاؤ جمیل میاں تم نے کس طرح اپنی چھٹیاں گزاریں۔ جمیل بولا "سر! امسال میں اپنے آبائی گاؤں گیا تھا جہاں میرے انکل کھیتی باڑی کرتے ہیں حکومت کی جانب سے ملنے والی زرعی امداد کی رقم سے انکل نے ہمارے آبائی کھیت میں ایک چھوٹا سا مصنوعی تالا بنایا ہے میں نے اپنے انکل کی نگرانی میں ٹریکٹر کے ٹیوب کی مدد سے تیرنا سیکھا اور مہینہ بھر اس کی خوب مشق کی اب میں بہت اچھی طرح تیراکی کر سکتا ہوں۔ میں جیسے ہی چھٹیوں کے بعد شہر لوٹا تو میں نے اپنے شہر تیراکی کلاس میں اپنا نام درج کرا دیا۔ میں نے دو دوستوں کو بھی تیراکی کے فوائد بتا کر تیراکی سیکھنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ اب ہم تینوں دوست روزانہ اپنے شہر کے تالاب میں تیراکی سیکھنے جاتے ہیں۔ میری خوب مشق ہو چکی اس لیے میں امسال تیراکی مقابلوں میں بھی حصہ لوں گا۔" شبانہ کو خاموش دیکھ کر مزمل سر نے پوچھا "بتاؤ گڑیا تم نے اپنی چھٹیاں کس طرح گزاری؟" شبانہ بولی "سر! ہمارے گھر چھٹیوں کے آخری ہفتے میری کزن کی شادی تھی میں نے گھر کی صاف صفائی میں اپنی والدہ کا ہاتھ بٹایا اور کچن کے چھوٹے موٹے کام سیکھے اور رات میں دادی جان سے مزیدار کہانیاں بھی سنیں اور دادی جان کو بھی میں نے ایک نئی چیز سکھائی۔" سر نہایت شفقت سے گویا ہوئے "اچھا! تو آپ اپنی ہی دادی کی استانی بن گئی ہو، ہمیں بھی تو بتاؤ بھئی کہ وہ نیا ہنر تم نے اپنی دادی جان کو کیا سکھایا۔" شبانہ بولی "سر! دادی جان کو میں نے اسمارٹ فون چلانا سکھایا واٹس ایپ پر میسیج بھیجنا اور آیا ہوا میسیج پڑھنا، فون کو لاک و انلاک کرنا سکھایا۔" بھئی بہت اچھے یعنی آپ نے اپنی دادی جان کو اسمارٹ دادی بنا دیا ہے۔ بہت خوب اب سر تمام طلبہ سے مخاطب ہوئے۔"

پیارے بچو! آپ سال بھر پڑھائی کرتے ہو .اسکول آتے ہو، اسکول کی مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہو۔ اس کے بعد آپ کو گرمی کی طویل چھٹیاں ہوتی ہیں اور یہ چھٹیاں اسی طریقے سے نت نئے ہنر سیکھنے کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔" اسی طرح تقریر کرنا، مضمون لکھنا، عربی زبان، مراٹھی، ہندی اور انگریزی زبان بولنا سیکھیے۔ تاریخ کا مطالعہ کیجیے۔ کسی سیلانی مقام کی تعلیمی سیر کیجیے، خوشخطی سیکھیے۔ نئے ہنر سیکھ کر نئے تعلیمی سال کا استقبال کیجیے۔ تو چلیے اب ہم اپنے نئے تعلیمی سال کی پڑھائی اس عزم کے ساتھ شروع کرتے ہیں کہ آئندہ سال کی تعطیلات میں ہم پھر ایک نیا ہنر سیکھیں گے۔ پھر تمام طلبہ نئے عزم کے ساتھ پڑھائی میں مشغول ہو گئے۔

■

Ismail Suleman
Kurhad Khurd Tal Pachora
Distt.: Jalgaon - 424202 (Maharashtra)
Mob.: 9284317530
ismailkakar074@gmail.com

محمد نصیر رمضان

کہانی

مونو

"مونو...مونو..." اِتنا سنتے ہی نہ جانے گھر کے کس کونے سے مونو آ کر پیروں میں لوٹنے لگا۔ جی ہاں... مونو ہمارے پالتو بلّے کا نام ہے۔ سفید اور بھوٗرا رنگ، شیر جیسا منہ اور بڑے ہی مضبوط پنجے۔ ایک سال پہلے ہمارے گھر میں ایک سفید رنگ کی بلّی ہوا کرتی تھی۔ مونو اُس کا اکلوتا بچّہ ہے۔ چند مہینے پہلے وہ بلّی اچانک غائب ہوگئی۔ تب سے مونو گھر کے ہر فرد کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے۔ گھر کے سبھی بچّے تو جیسے اُس کے ساتھ چمٹے ہی رہتے تھے۔ مونو... ہے ہی اتنا معصوم اور بھولا... دوسرے بلّوں کی طرح وہ چالاک اور خونخوار نہیں ہے۔ گھر میں مرغی کے چوٗزے پالے ہوئے ہیں۔ مونو اُن کے ساتھ بھی کھیلتا ہے، پر مجال نہیں کہ وہ کبھی اُن کو پکڑ کر دانت بھی مار دے۔ رات کو گھر کے کسی بھی فرد کے بستر میں ساتھ گھُس کر سو جاتا ہے۔ یہ اُس کی روزانہ کی عادت ہے۔ دوسرے بلّے اور کتوں سے مونو کی حفاظت کرنی پڑتی ہے کہ وہ کہیں اُس پر حملہ نہ کر دیں۔ دِن میں زیادہ تر وہ چھت پر یا دیوار پر بیٹھا رہتا ہے۔ جب بچّے اسکول سے آ جاتے ہیں تو وہ اُن کے ساتھ کھیلتا رہتا ہے۔ بچّے ایک کاغذ کی گیند بنا کر اُس کے آگے پھینک دیتے۔ وہ اُسے دونوں پنجوں سے اِدھر سے اُدھر ہانکتا رہتا ہے۔

ایک دن کی بات ہے۔ میں نے اُسے آواز دی۔ وہ میری آواز سُن کر آیا نہیں۔ میں اُسے ڈھونڈتا ہوا چھت پر جا پہنچا۔ دیکھا تو مونو ایک کبوتر کو منہ میں دبائے بیٹھا ہے... مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں کبوتر مر نہ گیا ہو... مگر کبوتر اُس کے منہ میں دبا ہوا پھڑ پھڑا رہا تھا... اور مونو کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ میں جلدی سے، اُس کے پاس پہنچا۔ مونو نے منہ کھول دیا۔ کبوتر چھٹ پٹا کر اُڑ گیا۔ کوئی اور بلّا ہوتا تو اب تک کبوتر کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا۔ ایسا ہے... مونو۔ ایک بڑا فائدہ مجھے مونو کا یہ ہوا کہ اُس کے ڈر سے گھر میں چوہے نہیں آتے تھے۔ ورنہ میری کتابوں کا جانے کیا حشر ہوتا۔

ایک رات بلیوں کے لڑنے کی آواز صحن سے آنے لگی۔ میری نیند کھُل گئی۔ میں نے اُٹھ کر لائٹ جلا کر دیکھا۔ مونو اور ایک دوسرا آوارہ بلّا دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ میں نے چپل مار کر دوسرے بلّے کو بھگایا۔ مونو بھاگ کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے دیکھا اُس کی پیٹھ پر دوسرے بلّے کے دانتوں کے نشان تھے۔ مجھے اطمینان ہوا کہ کوئی زخم نہیں بنا تھا ورنہ مشکل ہو جاتی۔

کچھ دنوں کے بعد آدھی رات کے قریب، اچانک کمرے کے باہر برتنوں کے گرنے کی آواز آئی اور پھر

بلّوں کے لڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے جلدی سے چپل پہنی اور باہر آ کر لائٹ جلا کر دیکھا۔ مونو اور اُس دِن والا بلّا آپس میں لڑ رہے تھے۔ دوسرے بلّے کو بھگا کر میں نے مونو کو گود میں اُٹھا لیا۔ دیکھا، تو اُس کے جسم پر دوسرے بلّے کے دانت مارنے سے زخم کے نشان بن گئے تھے اور وہاں سے خون رِس رہا تھا۔ میں نے جلدی سے زخم صاف کر کے اُس پر گھر میں پڑی ٹنکچر آیوڈین کی دوا لگا دی۔ دو دنوں کے بعد وہ کہیں چلا گیا۔ ہم لوگ پریشان ہو گئے کہ کہیں کسی کتّے کے ہاتھ نہ چڑھ گیا ہو۔ لیکن ایک ہفتے کے بعد وہ اچانک پھر چلا آیا۔ اُس کے جسم پر دانت کے کاٹنے کے کافی گہرے زخم ہو گئے تھے اور اُس میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ سر پر بھی کافی گہرا زخم تھا ۔ مجھے بڑی فکر ہوئی۔ میں نے کسی طریقے سے دوا لگانی چاہی تو وہ دور ہٹ گیا۔

اب مونو کے زخم سے بدبو آنے لگی تھی۔ گھر کے بچوں کو تاکید کر دی گئی کہ اُس کو ہاتھ نہ لگائیں۔ وہ چھت پر چلا گیا۔ میں بازار سے زخم پر لگانے کے لیے دوائی کا اسپرے لے آیا اور موقع دیکھ کر مونو کے زخم پر چھڑک دیا۔ اسپرے پڑتے ہی مونو بھاگ کھڑا ہوا۔

صبح دیکھا تو وہ چھت کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اب اُس کا زخم اور زیادہ خراب ہو چکا تھا۔ بچّے مونو کو دیکھنے کے لیے چھت پر آ گئے۔

’’دُور رہو اُس سے... ہاتھ مت لگانا‘‘ میں نے بچوں کو سرزنش کی۔

مجھے لگا کہ اب مونو نہیں بچے گا۔ ایک کٹوری میں دودھ ڈال کر اُس کے سامنے رکھ دیا، لیکن مونو نے منہ نہیں لگایا۔ ایسے ہی بیٹھا رہا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر میں نے دیکھا کہ مونو چھت کی سیڑھیوں سے نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ اُس کے زخموں پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ شام تک وہ چھت پر بنے اسٹور کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ اوپر آتے جاتے ہوئے اُس کے جسم سے اُٹھنے والی بدبو سے گھر کے لوگوں کو پریشانی ہو رہی تھی کیونکہ بدبو ناقابل برداشت تھی۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں گھر میں جراثیم نہ پھیل جائیں۔ میں نے زبردستی ایک ڈنڈے کے ذریعے مونو کو وہاں سے ہٹایا۔ وہاں سے اُٹھ کر وہ چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ میں نیچے ہی کھڑا رہا۔ آخری سیڑھی کے سرے پر پہنچ کر اُس نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا۔ میرے دل کو دھچکا سا لگا، لیکن میں مجبور تھا۔ پھر وہ چلا گیا۔ اُس رات مونو گھر نہیں آیا۔

دوپہر سے پہلے گھر کی طرف جاتے ہوئے محلے کا ایک شخص مل گیا۔ میں نے اُسے روک کر پوچھا ’’مونو کو کہیں دیکھا ہے؟‘‘

اُس نے فوراً کہا ’’ہاں دیکھا ہے... آج صبح الیکٹرک پول کے پاس مردہ پڑا تھا۔ کوڑے اُٹھانے والا آیا تو اُس کی گاڑی میں ڈال دیا تھا... پورا زخمی تھا‘‘ اُس شخص نے الیکٹرک پول کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دُکھ سے اُس خالی جگہ کو گھورا... جہاں اُس شخص نے اشارہ کیا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کہ وہ یہاں سے اُٹھ کر کہیں گیا ہو۔

■

Mohammad Naseer
H. No: 445, Mohalla Chormaran
Malerkotla - 188023 (Punjab)
jmnaseer@gmail.com

قسط 11

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

قسط وار ناول

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور فا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسندکے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے۔

اب تک آپ بھیڑیا اور گیدڑ، شیر خاں کی دھمکی، بھیڑیا گروہ میں موگلی کا مطالعہ، شیر خاں کی سازش، لال پھول کا کرشمہ، موگلی جنگل سے انسانوں کی بستی میں، شیر خاں کا خاتمہ، انسانی سماج سے اخراج پڑھ چکے ہیں۔ 'قسم پوری ہوئی' میں بتا گیا ہے کہ موگلی نے غار کے سامنے کھڑے ہوکر آواز لگائی کہ میں نے شیرخان کو مارکر اپناوعدہ پورا کردیااورپھر اس نے شیر خان کی کھال کو مجلس گاہ میں بچھادیا،اماں بھیڑیانے اس کی آواز سن کر کہاکہ مجھے یقین تھاکہ تم شیرخان کو ضرور ماروگے،بگھیرا اوربھالودادا بھی شیرخان کی موت سے بہت خوش تھے اورسب نے موگلی کو شاباشی دی،موگلی شیرخان کے مارے جانے کی خوشی میں کافی دیرتک ناچتارھا،پھر موگلی نے کہاکہ اب میں اکیلاھی شکار کروں گاتو اس کے چاروں بھیڑیابھائیوں نے کہاکہ وہ لوگ بھی اس کے ساتھ شکار کریں گے،پھر وہ لوگ شکار کرنے نکل گئے۔اب آگے (ادارہ)

بندروں کی بری صحبت میں

یہ ان دنوں کی بات ہے جب موگلی کو بھالو دادا جنگل کا قانون سکھایا کرتا تھا۔ بھاری ڈیل ڈول اور سنجیدہ مزاج بوڑھا بھورا بھالو موگلی جیسا تیز ذہین شاگرد پا کر بہت خوش تھا۔ بھیڑیا بچے تو جنگل کا اتنا ہی قانون سیکھتے تھے جتنا کہ

قسط وار ناول:

ان کے گروہ اوران کی ذات کے افراد پر نافذ تھا۔ وہ سب اپنا شکار، گیت گانا سیکھتے ہی پڑھائی چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ ان کا شکار گیت تھا۔

جو اندھیرے میں دیکھ سکے
جو چلے، نہ لیکن آہٹ ہو
جو غار نہ چھوڑے پھر بھی جو
سن سکے ہوا کی آہٹ کو
پر گیدڑ نہیں یا لکڑ بگھا
جو نہیں ہمارا وہی بندھو
ہے وہی ہمارا سکھا بندھو!

لیکن انسان بچہ ہونے کی وجہ سے موگلی کو اس گیت سے کہیں زیادہ چیزیں سیکھنا ضروری تھا۔ کبھی کبھی بگھیرا جنگل میں اچھلتا، چھلانگیں لگاتا ہوا یہ دیکھنے آ جاتا کہ اس کا لاڈلا پڑھائی میں کیسا چل رہا ہے۔ جب موگلی بھالو دادا کے سامنے بیٹھ کر اپنا پچھلا سبق دہرا رہا ہوتا تب وہ کسی درخت کے سہارے اپنا سر ٹیک کر ہلکے غرایا کرتا۔ بچہ موگلی اتنی ہی مہارت سے درخت پر چڑھ سکتا تھا جتنی مہارت سے تیراکی کر سکتا تھا۔ وہ بہت تیز دوڑ سکتا تھا۔ بھالو دادا نے جو جنگل کے قانون کا اتالیق تھا، اسے درختوں کے اور پانی کے سارے قاعدے سکھائے سڑی ہوئی شاخ اور اچھی مضبوط شاخ کی پہچان کیا ہے؟ درخت پر چڑھتے وقت زمین سے پچاس فٹ اوپر اچانک شہد کا چھتہ مل جائے تو جنگلی شہد کی مکھیوں سے کس طرح نرمی سے بات کرنی چاہیے؟ شاخوں کے درمیان سوتے ہوئے چمگادڑ کو بھری دوپہر میں دھوکے سے جگا دینے پر اس سے کیا کہنا چاہیے؟ تالاب میں کودنے سے پہلے پانی میں رہنے والے سانپوں کو کس طرح خبردار کر دینا چاہیے؟ یہ اور اسی طرح کے بہت سے سوالات تھے جن کے جواب اس نے موگلی کو سکھائے۔ جنگل کا کوئی جاندار یہ پسند نہیں کرتا کہ جب وہ کوئی کام کر رہا ہو تب اس میں کسی طرح کی مزاحمت کی جائے۔ اسے سوتے وقت نیند سے بلاوجہ جگایا جانا بھی پسند نہیں ہے۔ خلل ڈالنے والے پر حملہ کر بیٹھنے میں انھیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ موگلی کو اجنبیوں کی شکار آگاہی بھی سکھائی گئی۔ جنگل کا کوئی جانور اپنی شکار گاہ سے دور کسی دوسرے کے شکاری خطے میں شکار کرنے جائے تو اسے اجنبیوں کی شکار آگاہی تب تک دہرانی چاہیے جب تک کہ اس کا جواب نہ مل جائے۔ ترجمہ کرنے کے بعد اس کے معنی ہوں گے۔ ”مجھے یہاں شکار کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ میں بھوکا ہوں“۔ اور اس کا جواب ہوتا ہے: ”اچھا، شکار کر لو، لیکن بھوک مٹانے کے لیے، دل بہلانے کے لیے نہیں۔“

ان سب سے تمھیں معلوم ہوگا کہ موگلی کو کتنی ساری باتیں یاد کرنی پڑتی تھیں۔ وہ ایک ہی چیز کو سو بار دہراتے دہراتے تھک جاتا تھا۔ ایک دن جب غلطی کرنے پر موگلی کو چپت کھانے کو ملی تب وہ ناراض ہو کر بھاگ گیا۔ اس وقت بھالو دادا نے بگھیرا سے کہا: آدمی کا بچہ آخر آدمی بچہ ہے اسے جنگل کا مکمل قانون سیکھنا ضروری ہے۔“

”لیکن یہ بھی سوچو کہ وہ ابھی کتنا چھوٹا ہے۔“ کالا چیتا بولا۔ بگھیرا کا بس چلتا تو لاڈ پیار سے وہ موگلی کو بگاڑ کر رکھ دیتا۔ اس کی چھوٹی سی کھوپڑی میں آخر تمھاری لمبی لمبی باتیں کیسے سما سکتی ہیں؟“

”کیا جنگل کا کوئی جاندار اتنا حقیر ہے کہ اسے یوں

ہی مارا جائے؟ نہیں۔ اسی لیے میں اسے یہ سب باتیں سکھاتا ہوں اور اسی لیے جب وہ اپنا سبق بھول جاتا ہے تب میں اسے مارتا ہوں۔ لیکن یقین کرو، میری چپت بہت ہلکی ہوتی ہے۔''

ہلکی! ارے لوہا سنگھ، تو ہلکی چپت مارنا کیا جانے؟'' بگھیرا جھلا کر بولا۔'' آج اس کا تمام چہرہ خراشوں سے بھر گیا ہے۔ تیری ہلکی چپتوں کی مہربانی سے۔ اف''۔

''اسے اپنی لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑے، اس سے کہیں بہتر ہے کہ میری مار سے اس کا سارا جسم خراشوں سے بھر جائے۔ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اسے کتنا پیار کرتا ہوں۔'' بھالو دادا بڑی ایمانداری سے بولا۔'' اب میں اسے جنگل کے خفیہ الفاظ سکھا رہا ہوں جو سانپوں، پرندوں اور زمین پر چاروں پاؤں سے چلنے والے چوپایایا شکاری جانوروں کے بیچ اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر اسے سارے خفیہ الفاظ یاد رہیں گے تو وہ جنگل میں ہر اک جاندار سے تحفظ اور مدد کا دعویٰ کر سکے گا۔ اس کے لیے اگر تھوڑی سی مار بھی کھانی پڑے تو کیا وہ بہت زیادہ ہے؟''

''خیر، ٹھیک ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ کہیں تو انسان بچے کو مار نہ ڈالنا۔ اس کا جسم درخت کا تنا نہیں ہے جس پر تو اپنے گٹھیلے ناخن تیز کرے۔ لیکن میں بھی تو جانوں کہ وہ سب خفیہ الفاظ ہیں کیا؟ ویسے مجھے کسی کی مدد کی ضرورت تو کیا پڑے گی۔ الٹے شاید میں ہی کسی کے کچھ کام آسکوں'' یہ کہتے ہوئے بگھیرا نے اپنا پنجہ پھیلا کر اسپاتی رنگ کے اپنے مضبوط اور تیز نکیلے ناخنوں کو فریفتگی سے دیکھا۔ اس کے بعد بولا۔'' لیکن میں جاننا چاہوں گا کہ وہ خفیہ الفاظ کیا ہیں؟''

''میں موگلی کو بلاتا ہوں اگر وہ چاہے گا تو سنا دے گا۔ یہاں آؤ، چھوٹے بھائی۔''

''میرا سر شہد کی مکھی کے چھتے کی طرح بھنبھنا رہا ہے''۔ ان کے اوپر سے ایک پتلی اور روٹھی ہوئی سی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی موگلی ایک درخت کے تنے پر سے سرکتا ہوا نیچے زمین پر آیا، اور اترتے اترتے بہت ہی ناراض اور ناخوش آواز میں بولا۔'' میں بگھیرا کی وجہ سے نیچے آرہا ہوں۔'' تیرے کہنے سے نہیں اے مٹلے بھالو''

''اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' بھالو دادا بولا،

حالانکہ اس کے دل کو موگلی کی بات سے بڑی چوٹ لگی تھی اور وہ دل ہی دل میں دکھی ہوا اٹھا تھا۔ ''ذرا بگھیرا کو جنگل کے وہ سارے خفیہ الفاظ سنا جو میں نے تجھے آج سکھائے ہیں۔''

کس کا خفیہ لفظ سناؤں؟'' موگلی اپنی قابلیت دکھانے کا موقع پا کر خوش ہوتا ہوا بولا۔ ''جنگل کی بہت سی زبانیں ہیں اور میں سب جانتا ہوں۔''

''تجھے تھوڑی سی معلوم ہیں، سب نہیں۔ دیکھ لو بگھیرا، یہ کیسی شیخی بگھار رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے استاد کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتے مجھ سے پڑھنے والا ایک بھی بھیڑیا بچہ بڑا ہو کر اس بوڑھے اتالیق کا شکریہ ادا کرنے کے لیے واپس لوٹ کر نہیں آیا۔ اچھا، موگلی، ذرا شکاری لوگوں (شکاری جانوروں) کے خفیہ الفاظ دہراؤ تو۔''

''ہم سب ایک ہی خون والے ہیں تم اور میں''۔ موگلی نے الفاظ کی ادائیگی اس طرح سے کی جیسے کوئی بھالو کرتا ہے۔ ان خفیہ الفاظ کی سبھی شکاری جاندار اسی طرح سے ادائیگی کرتے ہیں۔ ''بالکل ٹھیک۔ اب کے خفیہ الفاظ بولو۔''

موگلی نے وہی الفاظ دہرائے، فرق صرف یہ تھا کہ جملہ کے آخر میں اس نے چیل کی طرح زوردار سیٹی جیسی آواز نکالی۔

''سانپ لوگوں کے خفیہ الفاظ بولو'' بگھیرا نے کہا۔

جواب میں موگلی کے منھ سے بالکل صاف سانپ کی پھنکار نکلی اور اپنی تعریف میں خود ہی تالی بجاتا اور اچھلتا ہوا وہ بگھیرا کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ اپنی ایڑی سے بگھیرا کی چکنی کھال میں ڈھول پیٹتا وہ بھالو کی طرف سوچ سوچ کر خراب سے خراب منھ بنا کر چڑھاتا جا رہا تھا۔

''دیکھا، دیکھا اس شرارتی نے جو کچھ سیکھا ہے، اس کے بدلے اگر تھوڑی سی خراش اس کو لگی بھی تو وہ بھی کچھ نہیں ہے۔'' بھورا بھالو بہت نرم لہجے میں بولا۔ ''کسی دن تو مجھے یاد کرے گا۔'' یہ کہہ کر وہ بگھیرا کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا۔

وہ بتانے لگا کہ کس طرح اس نے گجراج (جنگلی ہاتھی) سے جسے اس طرح کی سب چیزوں کا علم ہے، منت سماجت کر کے یہ سب خفیہ الفاظ حاصل کیے تھے۔ بھالو دادا نے بتایا کہ کس طرح ایک پنیہا سانپ سے سانپوں کے خفیہ الفاظ سکھوانے کے لیے گجراج موگلی کو اپنے ساتھ ایک تالاب پر لے گیا تھا۔ بھالو دادا خود سانپ کے خفیہ الفاظ کی ادائیگی نہیں کر پاتا تھا۔ اس نے بتایا کہ اب موگلی جنگل کی سبھی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ ہو گیا ہے کیونکہ خفیہ الفاظ جاننے کی وجہ سے کوئی سانپ یا پرندہ یا کوئی موذی جانور موگلی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

''اب موگلی کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے''۔ بھالو دادا نے فخر کے مارے اپنے بھاری اور خوب روئیں دار پیٹ کو ہاتھ سے پیٹتے ہوئے اپنی بات ختم کی۔ ہاں لیکن اپنے لوگوں کو (بھیڑیوں کو) چھوڑ کر'' بگھیرا دھیرے سے بدبدایا اور پھر موگلی سے بولا:

''ذرا میری پسلیوں کا بھی تو خیال کر، چھوٹے بھائی، یہ میری پیٹھ پر اچھل کود کیوں مچا رکھی ہے؟''

موگلی بگھیرا کے شانے پر کے روئیں زور زور سے کھینچ کر اور بغل میں پاؤں مار کر اسے اپنی بات سنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بگھیرا اور بھالو دادا نے توجہ دی کہ وہ گلا پھاڑ کر چلا رہا تھا۔ ''اب میں اپنا الگ گروہ بناؤں گا اور اسے لے کر دن بھر درختوں پر گھومتا پھروں گا۔''

''یہ کون سی نئی شیطانی ہے، چھوٹے بھائی؟'' بگھیرا

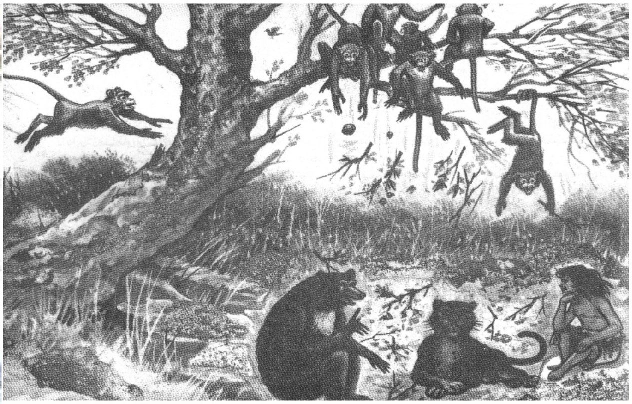

نے کہا۔

ہاں، اور ہم لوگ بوڑھے بھالو پر ٹہنیاں اور ڈھول پھینکا کریں گے۔'' موگلی بولتا گیا۔ ''انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ آہا... آہا''

''اُف'' ۔ بھالو دادا نے اپنے بھاری پنجے کی ایک ہی چپیٹ میں اسے بگھیرا کی پیٹھ سے نیچے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کے دونوں اگلے پنجوں کے بیچ میں پڑا موگلی دیکھ سکتا تھا کہ بھالو دادا بہت غصہ میں ہے۔

''موگلی!'' بھالو دادا بولا۔ ''تو بندر لوگوں سے بات چیت کرتا رہا ہے؟'' موگلی نے بگھیرا کی طرف یہ جاننے کے لیے دیکھا کہ کیا وہ بھی غصہ ہے۔ اس نے دیکھا کہ چیتے کی آنکھوں میں پتھر جیسی سختی آ گئی تھی۔

''تو بندر لوگوں کے ساتھ تھا۔ ایسے لوگ جن کے پاس کوئی قانون نہیں ہے۔ ایسے لوگ جو سب چیزیں کھاتے ہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔''

''جب بھالو دادا نے مجھے مارا تھا''۔ موگلی (جو ابھی بھی چت پڑا ہوا تھا) بولا۔ ''تب میں یہاں سے چلا گیا۔ اس وقت بندر لوگ درختوں سے اتر کر میرے پاس آئے اور مجھ سے ہمدردی ظاہر کی۔ ان کے سوا اور کسی نے بھی میری پرواہ نہیں کی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ سسکیاں بھرنے لگا۔

''بندر لوگوں کی مہربانی؟ ہمدردی؟'' بھالو دادا غرایا۔ یہ تو ایسی نئی بات ہوئی جیسے کوئی کہے کہ پہاڑی ندی کا پانی ٹھہرا ہوا ہے یا کہے کہ موسم گرما کے سورج میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ انسان بچے اور تب کیا ہوا؟''

''اور تب... اور تب انھوں نے مجھے میوے اور اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں، اور وہ سب ۔ وہ سب اپنی بانہوں میں لے کر درخت کی چوٹی پر چڑھ گئے اور کہا کہ میں خون کے رشتے سے ان کا بھائی ہوں، بس میری دم نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ اب میں کسی دن ان کا رہنما بنوں گا۔''

''ان کا کوئی رہنما نہیں ہے۔'' بگھیرا بولا ''وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ سب ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں۔''

''نہیں وہ سب لوگ بہت رحم دل تھے، اور مجھ سے پھر آنے کو کہا ہے۔ مجھے آج تک کبھی بندر لوگوں کے پاس کیوں نہیں لے جایا گیا؟ وہ سب لوگ میری طرح اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ مجھے بڑے بڑے پنجوں سے مارتے نہیں ہیں۔ وہ لوگ سارا دن کھیلتے ہیں۔ مجھے اٹھنے دے، اے خراب بھالو، مجھے اٹھنے دے۔ میں ان کے ساتھ پھر کھیلوں گا۔''

''سن، انسان بچے''۔ بھالو بولا اور اس کی آواز کسی گرم رات میں بادلوں کی بھاری گرج کے مانند جنگل میں گونج اٹھی۔ ''میں نے درختوں پر رہنے والے بندر لوگوں کو چھوڑ کر تجھے جنگل کے سب لوگوں کے بارے میں بتا دیا ہے۔ جنگل کا قانون کیا ہے، یہ بھی بتا دیا ہے۔ بندر لوگوں کے پاس کوئی قانون نہیں ہے۔ یہ لوگ سماج سے نکال

دیے گئے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی زبان نہیں ہے لیکن وہ سب لوگ درخت کی شاخوں سے جھانکتے رہتے ہیں اور چوری سے سب کی باتیں سنا کرتے ہیں اور اس طرح چوری سے سنے گئے الفاظ بولتے ہیں۔ ان کا طریقہ ہمارا طریقہ نہیں ہے۔ وہ لوگ رہنما سے عاری ہیں۔ ان کا کوئی رہنما نہیں ہے۔ ان کے پاس قوت حافظہ نہیں ہے۔ وہ لوگ شیخی مارتے ہیں اور بک جھک کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایسا بنتے ہیں جیسے بہت بڑے لوگ ہوں اور جلدی ہی جنگل میں کوئی بہت بڑا کام کرنے والے ہوں لیکن اوپر سے ایک پھل کا ٹپک پڑنا بھی ان کا دماغ دوسری جہت میں موڑ دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ ہنسنے لگتے ہیں اور پل بھر میں پہلے کی ساری باتیں بھلا دی جاتی ہیں۔ ہم جنگل کے لوگوں کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہم لوگ وہاں پانی بھی نہیں پیتے جہاں بندر پانی پیتے ہیں۔ ہم لوگ وہاں نہیں جاتے جہاں بندر جاتے ہی۔ ہم لوگ وہاں شکار نہیں کرتے جہاں بندر لوگ شکار کرتے ہی۔ ہم لوگ وہاں جا کر نہیں مرتے جہاں جا کر بندر مرتے ہیں۔ (ہر جنگلی جانور مرنے سے پہلے کسی نامعلوم مقام پر چلا جاتا ہے جہاں وہ چپ چاپ سب کی آنکھوں کی اوٹ، ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے۔) کیا آج سے پہلے تو نے کبھی مجھے بندر لوگوں کی بات کرتے سنا ہے؟۔''

بھالو دادا جب بول چکا تو چاروں طرف ایک دم سناٹا چھا گیا۔ ''نہیں''، موگلی کے منہ سے سہمی ہوئی پھسپھساہٹ نکلی۔

''جنگل کے لوگ کبھی بندر لوگوں کی بات منہ سے نکالتے ہیں اور نہ ان کے بارے میں سوچتے ہی ہیں۔ وہ سب بہت ہی بدمعاش، گندے اور بے شرم لوگ ہیں اور ان کی خواہش رہتی ہے کہ جنگل کے لوگ ان کی طرف دھیان دیں یا متوجہ ہوں۔ لیکن ہم لوگ اس وقت بھی ان کی طرف دھیان نہیں دیتے جب وہ سب ہم لوگوں پر پھل اور جانے کیا کیا کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔

اس کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ اوپر درخت کی شاخوں سے سوکھے اور سخت پھل اور سوکھی ٹہنیوں کی ایک بوچھار سی ہوئی۔ اوپر پتلی شاخوں پر زور زور سے خوں خوں، چیں چیں کر کے کھوکھیانے اور غصے کے مارے اچھل چھل کر درخت جھنجھوڑنے کی آواز نیچے صاف سنائی پڑ رہی تھی۔

''بندر لوگوں کا نام لینا، ان کی طرف دھیان دینا یا ان کے ساتھ کسی طرح کا میل جول رکھنا جنگل کے لوگوں کے لیے منع ہے۔'' بھالو دادا بولا۔ ''یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا''۔

''ہاں، منع ہے''، بگھیرا بولا۔ ''لیکن مجھے اب بھی یہ لگتا ہے بھالو دادا کہ موگلی کو تجھے پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہیے تھا۔''

''مجھے۔ مجھے؟ لیکن میں یہ سوچ بھی کیسے سکتا تھا کہ وہ اتنے گندے لوگوں کے ساتھ کھیلے گا بندر لوگ! آخ تھوا''

اسی وقت ان کے اوپر سخت سخت پھلوں کی ایک تیز بوچھار ہوئی۔ بھالو دادا اور بگھیرا اٹھے اور موگلی کو ساتھ لے کر وہاں سے چل دیے۔

بھالو دادا نے بندروں کی بابت جو کچھ کہا تھا وہ بالکل ٹھیک تھا۔ بندر لوگ درخت کی چوٹیوں پر رہنے والے جاندار ہیں اور چونکہ جنگلی جانور سر اٹھا کر اوپر کم ہی دیکھتے ہیں، اس لیے ان کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہونے کا موقع ہی نہیں آتا تھا۔ لیکن اگر کبھی بندروں کو کوئی بیمار

بھیڑیا یا زخمی باگھ بھالو دکھائی دے جائے تب بندر لوگ اسے بہت تنگ کرتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ وہ محض تفریح کے لیے کسی بھی جانور پر خشک ٹہنیاں اور سخت پھل کھینچ کھینچ کر پھینکتے اور مارتے ہیں۔ وہ امید کرتے ہیں کہ شاید تب کوئی ان کی طرف دھیان دے دے۔ وہ سب عجیب عجیب آوازوں میں شور مچاتے ہوئے بیوقوفی کے گانے گاتے ہیں اور جنگل کے لوگوں کو اوپر آ کر لڑنے کے لیے للکارتے ہیں یا پھر بغیر کسی بات کے آپس میں خوفناک لڑائی شروع کر دیتے ہیں ۔ وہ سب مرے ہوئے بندر کو ایسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں جہاں اسے جنگل کے لوگ دیکھ سکیں۔ وہ سب ہمیشہ سوچتے رہتے ہیں کہ جلدی ہی ان کا اپنا ایک رہنما ہوگا اپنا ایک قانون ہوگا اور اپنے رسم ورواج ہوں گے۔ مگر ایسا کبھی ہو نہیں پاتا کیونکہ کوئی بات ایک دن سے زیادہ ان کو یاد ہی نہیں رہ سکتی۔ اپنی اس بدنظمی اور اپنی کمزوریوں کو چھپانے اور اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے انھوں نے ایک کہاوت بنالی تھی ''بندر لوگ جو بات آج سوچتے ہیں ہیں، کل وہی بات سارے جنگل کے لوگ سوچیں گے''۔ کوئی بھی جانور ان تک پہنچ نہیں پاتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی کوئی جانور ان کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ جب موگلی ان کے ساتھ کھیلنے آیا تو وہ سب اتنے خوش ہوئے تھے انھوں نے سن لیا تھا کہ بھالو دادا اس بات پر کتنا ناراض ہوا ہے۔

ان کا ارادہ آئندہ کچھ اور کرنے کا نہیں تھا۔ بندر لوگ کبھی بھی کچھ کرنے کا ارادہ نہیں کرتے۔ لیکن ان میں سے ایک نے اپنی سمجھ میں ایک بہت ہی عمدہ بات سوچ نکالی۔ اس نے سبھی ساتھیوں کو بتایا کہ موگلی کو اپنے گروہ میں رکھنا بہت مفید ثابت ہوگا کیونکہ وہ پتلی ٹہنیوں کو بن کر ایک چیز بنانا جانتا ہے جو تیز ہوا سے ان کا بچاؤ کر سکتی ہے۔ اس لیے اگر وہ لوگ اسے پکڑ لیں تو پھر اس سے کہا جائے گا کہ وہ ان سبھوں کو وہ چیز بنانا سکھائے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لکڑہارے کا بیٹا ہونے کے سبب موگلی میں خداداد کی خاصیت آ گئی تھی۔ وہ اکثر گری ہوئی ٹہنیوں سے چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بنایا کرتا تھا۔ اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ یہ سب کیسے کر لیتا ہے۔ بندر لوگ درخت سے اسے جھونپڑیاں بناتے دیکھتے رکھتے تھے اور اس کے اس کھیل کو دنیا کا سب سے عجیب کھیل مانتے تھے۔ اس بار انھوں نے طے کیا کہ وہ سب سچ مچ ہی اپنا ایک رہنما بنائیں گے۔ وہ رہنما موگلی ہوگا۔ تب وہ سب جنگل بھر میں سب سے زیادہ عقل مند لوگ ہو جائیں گے۔ اتنے عقل مند کہ جنگل کے دوسرے باشندے ان کی طرف توجہ مبذول کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں گے اور تب وہ لوگ بندروں سے حسد کریں گے۔ اسی ارادے سے بغیر کوئی آواز پیدا کیے انھوں نے جنگل میں بکھیرا، بھالو دادا اور موگلی کا تب تک تعاقب کیا جب تک کہ دوپہر کے سونے کا وقت نہیں ہو گیا۔ ادھر موگلی گزشتہ واقعہ کے بعد اپنے آپ پر بہت ہی زیادہ شرمندہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں بندر لوگوں سے مستقبل میں کبھی کوئی میل جول نہ رکھنے کی نیت کرتا ہوا چیتے اور بھالو کے بیچ میں لیٹ کر سو گیا۔

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار، **دوسری اشاعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ٹیکنالوجی

وسیم سعید

ایموجی: دنیا کی پہلی عام ڈیجیٹل زبان

دورِ حاضر کو جدید ترین تکنیک اور ڈیجیٹل دور سے منسوب کیا جاتا ہے۔آج پوری دُنیا میں عوام الناس ایک دوسرے کو مختلف طریقے کے ڈیجیٹل پیغامات ارسال کرتے ہیں یا موصول کرتے ہیں، اُن میں شاید ہی کسی زبان کا کوئی لفظ اتنا زیادہ استعمال ہوتا ہو جتنا زیادہ ایموجی کا استعمال ہوتا ہے۔ جی ہاں! وہ چھوٹی چھوٹی شکلیں جنھیں مسکراتا ہوا چہرہ یا پُرتبسم چہرہ اور Smiley بھی کہا جاتا ہے۔ دُنیا بھر میں ہر روز لوگ ڈیجیٹل طور پر بات چیت یا گفتگو کرتے ہوئے چھ بلین سے بھی زیادہ بار ایموجیز کا استعمال کررہے ہیں۔ واٹس ایپ، میسنجر ، انسٹا گرام، ایس ایم ایس ، فیس بک اور ٹویٹر کوئی بھی سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایسا نہیں ہے، جہاں ان دنوں ایموجیز کا بڑے پیمانے پر استعمال نہ ہورہا ہو۔

آج ایموجیز نہ صرف نئے معنی دیتے ہیں بلکہ ڈیجیٹل مواصلات کو نئی جہتیں بھی دیتے ہیں۔ درحقیقت جب ہم اپنے ذہن میں اُٹھنے والے لامحدود جذبات کو الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر محسوس کرتے ہیں تو یہ چھوٹی چھوٹی ڈیجیٹل شکلیں ہمارے لیے بہت کارآمد ہوجاتی ہیں۔

ایموجی ایک جاپانی لفظ ہے جو دو الفاظ سے مل کر بنا ہے۔ اس کے پیچھے ایک دلچسپ کہانی پوشیدہ ہے۔ ایموجی میں 'ای' کا مطلب تصویر اور 'موجی' کا مطلب حرف یا کردار ہے۔ اسے ایک چھوٹی 'ڈیجیٹل تصویر' یا 'آئیکون' بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی تصویر کے ذریعے کوئی لفظ یا احساس کو دوسروں تک ارسال کرنا ایموجی کہلاتا ہے۔ جاپانی لوگ اسے 'تصویری پیغام' بھی کہتے ہیں۔

ایموجی کی ابتدا جاپان سے ہوئی۔ اِس سے ایک

جاپانی ٹیلی مواصلاتی کمپنی NTT DoCoMo کے لیے I-Mode نامی موبائل انٹرنیٹ پلیٹ فارم پر کام کرنے والے Shigetaka Kurita نے بنایا تھا۔اس طرح پہلی بار جاپان میں ایموجی کا استعمال 1997 میں کیا گیا تھا۔پچیس سال کے Shigetaka Kurita نے پہلی بار 176 ایموجیز نمونوں کا ایک سیٹ دُنیا کو پیش کیا جو کہ دُنیا میں ایموجیز کا پہلا سیٹ کہلاتا ہے۔ اس کے لیے سڑک کے نشانات اور چینی حروف سے بنے نشانات بھی استعمال کیے گئے تھے۔اس کا مقصد اس وقت سیل فون پر ایک محدود متن کو لامحدود جہت دینا تھا۔ اس کے بعد ایموجی اس قدر مقبول ہوا کہ یہ جذبات کے اظہار کا ایک بہترین ذریعہ بن گیا۔

ڈیجیٹل دُنیا کے دور میں لوگ اپنے خیالات کے اظہار کے لیے آج ایموجی کا سب سے زیادہ استعمال کررہے ہیں۔ ایموجی کئی شکلوں میں موجود ہیں۔بشمول چہرے کے تاثرات ،عام اشیا، مقامات، موسم اور جانور وغیرہ۔ اِن ایموجیز کے ذریعے ہم اپنے جذبات کا اظہار انتہائی منفرد انداز میں کرسکتے ہیں۔آج صرف بولنے یا لکھ کر محبت، غصہ، خوف اور خوشی کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔آپ سوشل میڈیا پر دوستوں اور رشتے داروں کو جذباتی ایموجیز ارسال کرنے اور وصول کرنے سے واقف ہوں گے۔آج ایموجی آن لائن دُنیا میں کافی سرخیاں حاصل کررہا ہے۔آج سوشل میڈیا پر جذبات کو پیش کرنے میں ایک ایموجی بہت سے الفاظ پر غالب ہے۔ اگر آپ واٹس ایپ پر اپنے عزیز و پیاروں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے خوش ہیں تو آپ اس خوشی کا اظہار مسکراہٹ والے ایموجی سے کرسکتے ہیں۔ سالگرہ ہو یا شادی کی تقریب، دلی جذبات کو پہنچانے میں ایموجی کا کوئی موازنہ نہیں ہے۔ایموجی بغیر کسی پریشانی کے گفتگو کو موثر بناتا ہے۔ ایموجی کاموں کی ایک وسیع رینج کی نمائندگی کرنے کے لیے آئے ہیں۔جن میں ہنسا، رونا، ناراض ہونا،جشن منانا، معافی مانگنا ، احترام کرنا،اتفاق کرنا، انکار کرنا اور الوداع کہنا شامل ہے۔ اس نے مواصلات کو آسان اور موثر بنادیا ہے۔

ایموجی انسانی جذبات ، جانداروں، اشیا اور یہاں تک کہ بعض علامتوں کی بصری نمائندگی کے طور پر کام کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اس کا استعمال بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ جیسے ٹیکسٹ میسے جنگ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اور مواصلات کے کسی بھی غیر رسمی طریقوں میں۔ یہ آپ کو اپنے جذبات کا واضح طور پر اظہار کرنے کی اجازت دیتے ہیں جو بعض اوقات سادہ خطوط اور متن کے ذریعے ممکن نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان دنوں صرف 250 حروف میں اپنا پیغام لکھنے کی مجبوری تھی۔اس حد میں رہتے ہوئے اپنے محدود پیغام کو لامحدود سائز کیسے دیا جائے اس مقصد کے لیے ایموجی کے مخففات ایجاد کیے گئے۔اگرچہ ایموجی کا وجود پچھلی صدی میں مواصلاتی منظرنامے میں اپنی جگہ بناچکا تھا لیکن اس کی مقبولیت میں اضافہ رواں صدی کے سال 2011 میں آیا، جب اس نے آہستہ آہستہ نوجوانوں کو باہمی رابطے کی زبان میں استعمال کرنے کی طرف راغب کیا۔ چار سال بعد 2015 میں آکسفورڈ انگلش لغت میں ایموجی کا لفظ شامل کیا گیا۔جس کی وجہ سے اسے دُنیا بھر میں ایک پہچان ملی۔ آکسفورڈ انگلش لغت

نے ایموجی کی تعریف 'خوشی کے آنسوؤں والا چہرہ' کے طور پر کی ہے۔ دس سب سے زیادہ استعمال ہونے والی ایموجیز میں خوشی، انگوٹھا، سرخ دل، رونا، ہاتھ جوڑ کر، ہنستے ہوئے آنسو، مسکراتا ہوا دل، آنکھوں پر مسکراہٹ والا دل، چہرہ اڑانے والا بوسہ اور مسکراتی آنکھیں شامل ہیں۔ ان کا استعمال روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔

ایموجی کے حیرت انگیز سفر کو دیکھتے ہوئے کیا اسے ڈیجیٹل دور کی پہلی عام 'عالمی زبان' قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا حتمی جواب تو دُنیا کے ماہرین لسانیات ہی دیں گے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ ڈیجیٹل نسل کی سب سے زیادہ پسندیدہ زبان ہے اور پوری دُنیا میں اس کے ہجے اور یکساں تاثرات ہیں تو یہ بالکل بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی بغیر کسی تشہیر یا کوشش کے دُنیا بھر میں چھ ارب سے زیادہ لوگ روزانہ باہمی رابطے میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ دُنیا کی پہلی ڈیجیٹل زبان ہے جس کا استعمال تصاویر کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے تاثرات ذہن میں الفاظ کی صورت میں معنی حاصل کرتے ہیں۔ یہ تصویری زبان دُنیا بالخصوص نوجوانوں کو اس حد تک اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ پچھلے تین سالوں میں اس کے استعمال میں 775 فی صد اضافہ ہوا ہے۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ پہلا یومِ ایموجی 2014 میں منایا گیا تھا۔ اس دن جیریمی برج نامی شخص نے ایموجی کے لیے ایموجی پیڈیا شروع کیا۔ جیریمی برج خود یونی کوڈ کمپنی کے رُکن ہیں۔

عالمی یوم ایموجی ہر سال 17 جولائی کو دُنیا بھر منایا جاتا ہے۔ اس کا آغاز 17 جولائی 2014 کو ایموجی پیڈیا (Emojipedia) کے بانی جیریمی برج نے ڈیجیٹل بات چیت پر ایموجیز کے اثرات کے اعزاز میں کیا تھا۔ ایموجی کا 17 جولائی سے خاص تعلق ہے۔ دراصل ایموجی کا استعمال پہلی بار 1997 میں ہوا تھا۔ بعد میں 17 جولائی 2002 کو ایپل نے اپنے کیلنڈر ایپ کے لیے ایموجی کا استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن کو عالمی یوم ایموجی کے لیے منتخب کیا گیا۔ آج کل ایموجیز رابطے کا ایک اہم حصہ بن چکے ہیں۔ جسے لوگ عام طور پر متن پر مبنی گفتگو کو دل لگی بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس دن کے متعارف ہونے کے بعد عالمی یوم ایموجی کو دُنیا بھر میں مقبولیت اور پہچان ملی ہے۔ عالمی یوم ایموجی منانے کے لیے لوگ اپنے پسندیدہ ایموجیز ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایموجی تھیم کے پروگرام کئی جگہوں پر منعقد کیے جاتے ہیں اور لوگ ایموجی پر مبنی مختلف آن لائن سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر کئی طرح کے ایموجیز موجود ہیں لیکن ان سب میں ٹیئرس آف جوائے ایموجیز (Tears of joy Emoji) کا سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے جو ہنستے ہوئے آنکھوں سے آنسو نکلتے دکھاتا ہے۔ لوگ اسے تفریح کے لیے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اس ایموجی کو سال 2021 میں 'ورلڈ ایموجی' ایوارڈ بھی دیا گیا تھا۔

■

Waseem Sayeed
Masood Hotel Ke Pass
Gajri Bazar, Kamptee
Distt.: Nagpur - 441001 (Maharashtra)
Mob.: 7620594269

محمد اشرف عظیم آبادی

پانی — قدرت کا انمول عطیہ

دنیا کے سبھی جانداروں کے لیے ہوا کے بعد سب سے ضروری اور اہم چیز پانی ہے۔ ہماری اس پیاری زمین جس پر ہم لوگ بستے ہیں اس کے لگ بھگ تین چوتھائی حصے (71% فیصد) میں پانی ہی پانی ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق اس زمین پر موجود بے شمار تالابوں، جھیلوں، جھرنوں، دریاؤں اور عظیم الشان سمندروں کے پانی کی مقدار کل ملا کر ایک ارب 23 کروڑ لیٹر (1,23,22 00000L) ہے۔ ایک خاص بات پر دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ کچھ سمندروں میں لاکھوں ٹن برف اور آسمان میں نظر آنے والے بادل، یہ سب پانی ہی ہیں، البتہ ان کی شکلیں اور ہیئت بدلی ہوئی ہیں۔ اسی لیے ہم اپنی درسی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ پانی کی تین شکلیں ہوتی ہیں (1) ٹھوس یعنی برف (2) رقیق، یعنی پانی جسے ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں (3) گیس یا بخارات یعنی بھاپ جو اوپر جا کر بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے — پانی کی یہ تینوں شکلیں ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے درجہ حرارت (Temperature) اہم رول ادا کرتا ہے۔ اگر پانی (رقیق) کا درجہ حرارت کم کر کے صفر ڈگری (Zero) کر دیا جائے تو وہی پانی برف (ٹھوس) میں بدل جاتا ہے اور اگر پانی کو 100 ڈگری (C) تک گرم کر دیا جائے تو وہ بھاپ (گیس) کی شکل لے لیتا ہے۔

پانی دراصل دو گیسوں یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن کی خاص مقدار میں ملنے سے بنتا ہے۔ مقدار کے لحاظ سے ہائیڈروجن کا جب ایک حصہ آکسیجن کے 8 حصوں سے ملتا ہے تو ایک اہم مرکب (Compound) تیار ہو جاتا ہے

جسے ہم پانی کہتے ہیں اور اس کی خاصیت اس میں شامل دونوں گیسوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پانی کے ہر سالمہ (Molecule) میں دو جوہر (Atoms) ہائیڈروجن اور ایک جوہر (Atom) آکسیجن ہوتا ہے اسی لیے اس کو علم کیمیا (کیمسٹری) کی زبان میں H_2O کہتے ہیں۔

پانی کے بغیر زندگی محال ہے۔ پودا ہو کہ جانور یا انسان ہر ایک کے لیے پانی ضروری ہے۔ دنیا کے سبھی جانداروں کا جسم خلیوں یا سیل (Cell) کا بنا ہوتا ہے اور ہر سیل کے اندر 70-60 فیصد پانی ہوتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ اگر ایک شخص کا وزن 70 کیلوگرام ہے تو اس کے جسم میں لگ بھگ 42 لیٹر پانی ہوتا ہے۔ (رقیق کے وزن کے لیے کیلوگرام کے بدلے لیٹر (Litre) کا استعمال کرتے ہیں)۔ پودوں میں تو 90-80 فیصد تک پانی ہوسکتا ہے۔

ہم لوگ جس پانی کا استعمال کرتے ہیں وہ مطلق خالص نہیں ہوتا بلکہ اس میں کچھ مفید معدنیاتی اجزا شامل ہوتے ہیں جیسے کلیشم اور میگنیشیم کے بائی کاربونیٹ۔

تم نے سنا ہوگا کہ پانی دو قسم کا ہوتا ہے (1) میٹھا پانی (2) کھارا پانی۔

(1) **میٹھا پانی** (Soft Water): جب پانی میں کیلشیم اور میگنیشیم اور دیگر اجزا کی مقدار بہت کم ہو تو وہ پانی میٹھا (Soft) ہوتا ہے جس میں آسانی سے صابن کا جھاگ بنتا ہے اور پینے میں بھی اچھا لگتا ہے۔

(2) **کھارا پانی** (Hard Water): وہ پانی جس میں کیلشیم اور میگنیشیم کے اجزا زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہوں، وہ کھارا (Hard) پانی کہلاتا ہے جس میں صابن کا جھاگ دیر میں بنتا ہے اور اس میں ایک قسم کی تلخی ہوتی ہے۔ پانی کا کھارا پن بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔

(الف) عارضی (Temporary): جب پانی میں کیلشیم اور میگنیشیم کے بائی کاربونیٹ (Bicarbonate) موجود ہوں تو ان سے پانی میں عارضی کھارا پن ہوتا ہے اور جسے ابال کر اور چھان کر ختم کیا جاسکتا ہے۔

(ب) مستقل (Permanent): جب پانی میں میگنیشیم اور کیلشیم کے کلورائیڈ اور سلفیٹ گھلے ہوں تو ان کی وجہ سے پانی میں مستقل کھارا پن ہو جاتا ہے جسے آسانی سے دور نہیں کیا جاسکتا۔ اس قسم کے کھارا پن کو دور کرنے کے لیے اس میں کپڑا دھونے والا سوڈا یعنی سوڈیم کاربونیٹ ملا کر اسے ابالا جاتا ہے۔ پھر اس پانی کو چھان لیا جاتا ہے۔ اب اس کا کھارا پن دور ہو جاتا ہے۔

پانی کی خصوصیات (Properties)

1 پانی ایک قدرتی محلل (Sofvent) ہے جس میں بہت سی چیزیں آسانی سے گھل جاتی ہیں جیسے نمک، چینی وغیرہ۔

2 جب پانی جم کر برف بنتا ہے تو اس کی کثافت (Density) کم ہو جاتی ہے یعنی ہلکی ہو جانے کی وجہ سے وہ پانی کی سطح پر تیرنے لگتی ہے۔ اس کی اس انوکھی خاصیت کی وجہ سے شدید ٹھنڈک میں دریا اور جھیل کی اوپری سطح پر تو برف پائی جاسکتی ہے لیکن اس کی تہہ میں پانی رقیق کی شکل میں ہی رہتا ہے اور اس طرح پانی میں رہنے والوں جانوروں کی زندگی مزے میں گزرتی ہے۔

3 پانی بے رنگ اور بے بو (Odourless) ہوتا ہے۔

4 پانی کی حرارت نوعی (Specefic heat) ایک (1)

ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ بدلتے ہوئے درجۂ حرارت سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا۔

5 پانی کے سالموں (Molecules) کے درمیان ایک قسم کی قوت اتصال (Cohesive force) ہوتی ہے اور پانی اور دیگر چیزوں کے درمیان ایک قسم کے چپکنے کی قوت (Adhcsive force) بھی ہوتی ہے۔ اس خاصیت کی وجہ سے درختوں میں جڑ سے پتیوں تک پانی اوپر چڑھتا رہتا ہے۔

6 پانی کا سطحی تناؤ (Surface tension) کافی زیادہ ہوتا ہے۔ اس خاصیت کی وجہ سے کئی چیزیں پانی کی سطح پر تیرتی رہتی ہیں۔ مچھر اور کچھ کیڑوں کو پانی کی سطح پر چلتے ہوئے تم نے دیکھا ہوگا۔ پانی کی اسی خوبی کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے۔

اسی طرح پانی قدرت کا ایک انمول عطیہ ہے اور بہت سی خوبیوں سے مالا مال ہے۔ ہندی کے مشہور اور عظیم شاعر رحیم نے پانی کی اہمیت پر اپنے ایک شعر میں کچھ یوں کہا تھا۔

رحیمن پانی را کھیے، بن پانی سب سُون
پانی گئے نا اُبرے موتی، مانُس، چُون

(رحیم: پانی کی حفاظت کیجیے، اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔ موتی کا بنا ہو، یا آدمی کی اہمیت یا چونے کا استعمال۔ سب کے لیے پانی اہم ہے۔)

■

Mohd Ashraf Azimabadi
Madarsa Sulaimania Lane
Nawab Bahadur Road
Patna City - 800008 (Bihar)
Mob.: 9334262130

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. تاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/145 روپے 90092010045326 :IFSC: CNRB0019009، A/C
میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....
....
....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159 :فیکس 011-26109746 :فون

دستخط

کب (ی) کی آواز نہیں نکلتی

عربی کے الفاظ میں جب (ا ل) سے پہلے (ی) آئے اور وہ متحرک نہ ہو تو (ی) کی آواز نہیں نکلتی۔ مندرجہ ذیل الفاظ بطور مثال مع تلفظ و معنی درج ہیں:

حَتّٰی الْاِمْکان: حَت+تَل+اِم+کَ+ا+ن = جہاں تک ممکن ہو۔

حَتّٰی الْمَقْدُوْر: حَت + تَل + مَق + دوٗ + ر = قدرت بھر۔

حَتَّی الْوُسَع: حَت + تَل+ وُس+ ع= وسعت بھر۔ جہاں تک ممکن ہو۔

ذِیْ الْحِجَّه: ذِل+ حج+ جَه= (ذ) = حج کا مہینہ، بقر عید کا مہینہ۔

عَلَی الْاِعلَان: عَ+ لَل+ اِع+ لا+ ن=اعلانیہ۔

عَلَی الْحِسَاب: عَ + لَلْ + حِ + سَا + ب = بغیر حساب۔

فِیْ الْبدِیْه: فِل+ بَ+ دِی+ ہ=فوراً، بلا تامل۔

فِیْ الْجُمْلَة: فِل+ جُم+ لَه= الغرض، قصہ مختصر۔

فِی الْحَال : فِلْ+ حَا+ لَ= ابھی۔

فِیْ الْحَقِیْقَت: فِل+ حَ+ قِی+ قَت= حقیقت میں۔

فِیْ الْفَوْر: فِل+ فَو+ ر= فوراً۔

فِیْ الْمِثْل: فِل + مِ+ ثْل= تمثیلاً، کہاوت میں۔

فِی النَّار: فِنْ+ نَا+ ر= آگ میں، جہنم میں۔

فی الوَاقِع: فِلْ+ وَا+ قِع= واقعی، حقیقۃً۔

مَافِی الضَّمِیْر: مَا+ فِض+ ضَ+ مِی+ ر= (ذ) =دل کی بات، سچ بات۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عربی کے بعض الفاظ میں (ی) ہوتی تو ہے مگر نہ تو خود متحرک ہوتی ہے اور نہ حرف ماقبل سے اعراب کے ذریعے ملتی ہے اور اس کے حرف ماقبل پر الف مقصورہ ہوتا ہے۔ جو پوری آواز دیتا ہے۔ یہ (ی) بھی بالکل آواز نہیں دیتی۔ مثالاً

اَدنیٰ: معمولی۔

اَعلیٰ: معزز، اونچا۔

اِرتِضیٰ: اِر+ تِ+ ضیٰ= ایک نام۔

اَولیٰ: اَو+ لَا= بہتر۔

بُشریٰ: بُش + رَا= (ث) = ایک زنانہ نام۔

تَقَاضیٰ: تَ+ قَا+ ضَا= (ذ) = دید، نظارہ، کھیل، تفریح۔

حُسنیٰ: حُس+ نَا= (ث)= ایک زنانہ نام۔

حَلوٰی: حَل+وَا= (ذ) = میٹھا۔(اسم)

سَلمیٰ: سَل+ مَا= ایک زنانہ نام۔

عُظمیٰ: عُظ+مَا= (ث) = بڑی، عظیم۔

عَلٰحِدَه: عَ+ لَا+حِ+دَه= جدا، الگ۔

زبان شناسی

عِیسٰی: عِی+سَا= (ذ) ایک پیغمبر کا نام۔

غِنٰی: غِ+نَا= (ث)= شکم سیری، قناعت۔

فَتویٰ: فَت+وَا= (ذ)= مذہبی حکم۔

قُویٰ: قُو+وَا= (ذ)= قوت کی جمع۔

لُبنیٰ: لُب+ نَا= (ث) = ایک زنانہ نام۔

لَیلےٰ: لَے+ لَا= (ث)= ایک زنانہ نام۔

مُتَبَنّٰی: مُ+تَ+بَن+نَا= لے پالک۔

مُتَوَفّٰی: مُ+تَ + وَف+ فَا= (ذ) = مرا ہوا، وفات پایا ہوا۔

مُجتبیٰ: مُج+ تَ+ بَا= (د)= رسول اللہ کا لقب۔

مُرَبّیٰ: مُ+رَب+بَا= (ذ)= تربیت کیا ہوا۔

مُرتَضیٰ: مُر+ تَ+ ضَا= (ذ)= ایک نام، حضرت علی کا لقب۔

مُستَثنٰی: مُس+ تَث+ نَا= الگ کیا ہوا، چھوٹا ہوا۔

مُسَمّٰی: مُ+ سَم+ما= نام رکھا ہوا۔

مُصطَفٰی: مُص+ طَ+فَا= (ذ) = حضرت رسول اللہ کا لقب، منتخب۔

مَعَمّٰی: مُ+عَم+مَا= (ذ)= چیستاں، پہیلی۔

مُقتَدیٰ: مُق+تَ+دَا= (ذ)= پیشوا، سردار، پیر۔

مُقتَضیٰ: مُق+تَ+ضَا= (ذ) = مصلحت، تقاضا کیا گیا۔

مُنَقّیٰ: مُ+نَق+قا= (ذ)= صاف کیا ہوا، بیج نکالا ہوا مویز۔

مُوسٰی: (ذ) = ایک پیغمبر کا نام۔

مَولیٰ: (ذ) = مالک+ آقا، (خدا)

مَولٰینا: (ذ)= مالک، آقا، مولوی۔

وُسطیٰ: وُس+ طَا= درمیانہ، بیچ کا۔

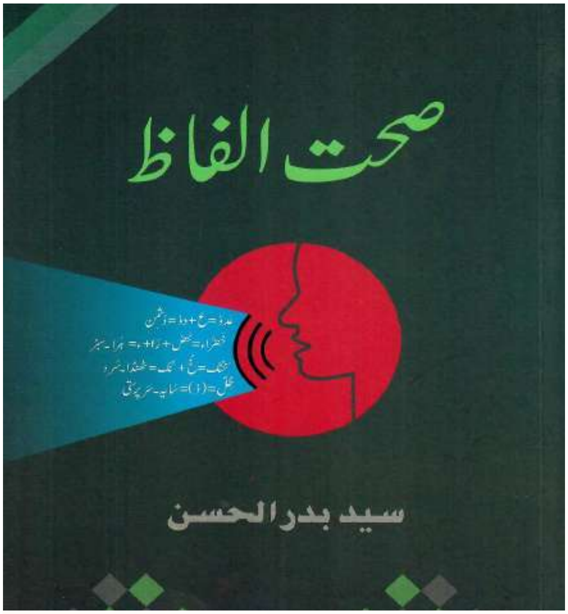

ھُدیٰ: (ذ) = ہدایت

یَحْییٰ: یَح+یَا= (ذ) = ایک پیغمبر کا نام۔

مندرجہ بالا الفاظ میں سے چند الفاظ اور ان کے علاوہ بھی چند الفاظ کو اردو میں اکثر بغیر (ی) صرف الف سے لکھا جاتا ہے جو گو کہ عربی کے قاعدے سے جس کے یہ الفاظ ہیں غلط ہے۔ ان کو صرف آخر میں (ی) سے ہی لکھنا چاہیے۔ چونکہ صرف الف سے لکھنے میں تلفظ یا معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا اردو میں ان کو صرف الف سے لکھنا غلط نہیں سمجھا جاتا، لیکن ان میں سے کسی لفظ کو اگر بجائے (ی) یا الف کے (ہ) سے لکھا جائے تو یہ املا کی غلطی ہوگی۔ جیسے: تماشہ، تقاضہ، حلوہ، مربہ، معمہ، وغیرہ بالکل غلط ہیں۔

■

ماخذ: صحت الفاظ: **مصنف:** سید بدرالحسن، **چھٹی طباعت:** 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔

1. پٹنہ کس ندی کے کنارے واقع ہے؟
2. فراق گورکھپوری کو گیان پیٹھ ایوارڈ کس سنہ میں ملا؟
3. وہ کون سا جانور ہے جو زندگی بھر پانی نہیں پیتا ہے؟
4. مینڈک ایک سال میں کتنا عرصہ سوتا ہے اور کتنا عرصہ جاگتا ہے؟
5. اس جانور کا نام بتائیں جو کبھی نہیں سوتا ہے۔
6. ایک میل میں کتنے کلومیٹر ہوتے ہیں؟
7. دنیا کے سب سے بڑے ریلوے اسٹیشن کا نام بتائیں؟
8. ہندوستان چھوڑو تحریک کس سال شروع کی گئی تھی؟
9. لیپ ٹاپ کس نے ایجاد کیا؟
10. ایک گھنٹے میں کتنے سیکنڈ ہوتے ہیں؟
11. Snap chat کا موجد کون ہے؟
12. دنیا کے سب سے گہرے دریا کا نام کیا ہے؟
13. زمین کی سطح کا کتنا حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے؟
14. آڈیو اور ویڈیو کانفرنسنگ ٹول Zoom کا موجد کون ہے؟
15. Eiffel Tower کہاں واقع ہے؟
16. ایک میٹر میں کتنے سینٹی میٹر ہوتے ہیں؟
17. وہ کون سا پرندہ ہے جو دوسرے کے گھونسلے میں انڈے دیتا ہے؟
18. ہندوستان کی سب سے بڑی بندرگاہ کہاں ہے؟
19. ہندوستان کا وہ سا پل ہے جس میں ستون نہیں ہے؟
20. RBI کا فل فارم کیا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 36 پر ملاحظہ فرمائیں)

ننھے فنکار

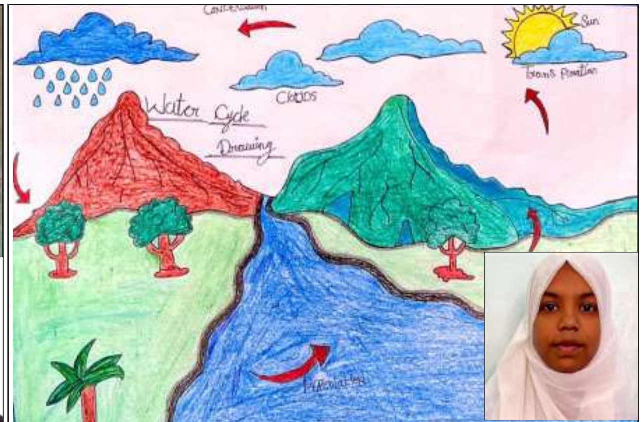

تنزیلہ فردوس شیخ اسحاق، گورنمنٹ اردو ایچ ایس ایس، خیراتی بازار، برہانپور، مدھیہ پردیش

مریم امین، درجہ کے جی، گوڈس گلوری پبلک اسکول، دریا گنج، نئی دہلی

زہرہ محمد، درجہ دوم، بون انگلش اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

عمارہ چودھری، درجہ سوم المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پورابستی، چکھلی پونہ، مہاراشٹر

صنوبر محمد، درجہ سوم، بون انگلش اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

طوبیٰ علی بنت صابر علی، درجہ ششم، سینئر سیکنڈری اسکول، جسولہ نئی دہلی

ننھے فنکار

سید اشہر سید شاہد، الحرا اردو پرائمری اسکول (بھساول)

ریان اختر، درجہ ششم، رانی بنور کرناٹک

عالیہ، درجہ ہشتم، مدگام (گووا)

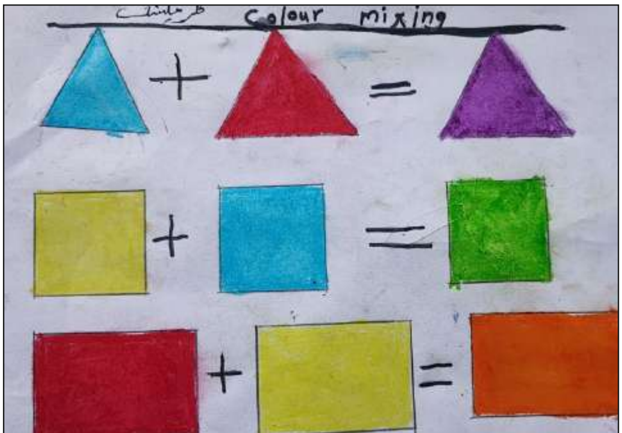

اسید احمد خالد رضا، درجہ ششم (الف)، اے ٹی ٹی ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

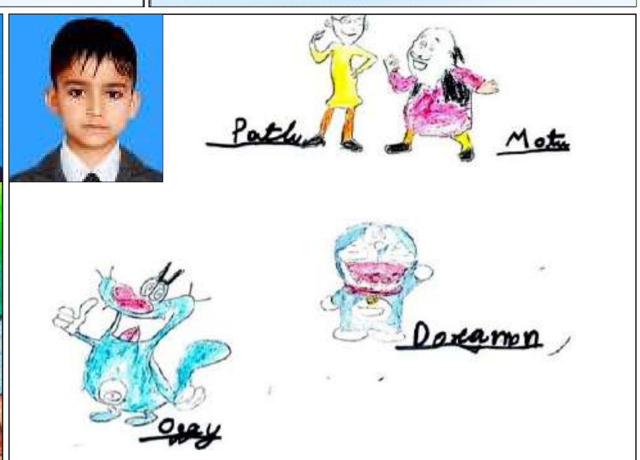

صفیع اللہ قریشی، درجہ اوّل، آرمی گڈول، اسکول بونیار، بارہمولہ، (جموں وکشمیر)

سارہ حیات، درجہ چہارم، اندل ماڈل اسکول

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد وشمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, नवंबर 2024, वर्ष 12, अंक 11
BACHON KI DUNIYA Monthly, November 2024 Vol. 12, Issue: 11
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/10/2024
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات: 86 ، قیمت: 30 روپے

صفحات: 43 ، قیمت: 15 روپے

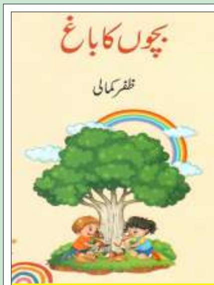

صفحات: 50 ، قیمت: 20 روپے

صفحات: 64 ، قیمت: 25 روپے

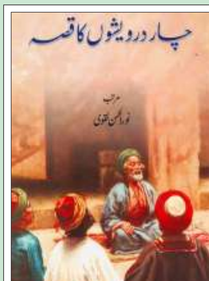

صفحات: 70، قیمت: 30 روپے

صفحات : 22، قیمت: 25 روپے

صفحات: 108، قیمت: 95 روپے

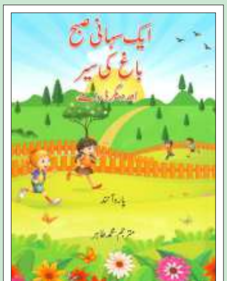

صفحات: 101 ، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6